ولا تقولوا لمـ[illegible] اللہ اموات

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آخری مضامین

اسے جاں نثار مسلمانوں کے عملی غمخوار مصلح و ریفارمر مجتہد و مجدد پیشواے ملت امام وقت۔ اسلام کے عاشقِ صادق۔ قوم پر اپنا تن من دھن قربان کر دینے والے۔

جواد الدولہ۔ عارف جنگ

آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں صاحب بہادر

کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ایف۔ آر۔ ایس

بانئے مدرسۃ العلوم علیگڈھ مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ

ابتداے یکم شوال ۱۳۱۴ ہجری لغایت ماہ ذیقعد ۱۳۱۵ ہجری

مرتبہ

جناب مولانا مولوی محمد امام الدین صاحب گجراتی سلمہ ربہ

حسب فرمائش

منشی فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت بازار کشمیری لاہور

۱۸۹۸ء

مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور

فہرست کتب

تہذیب الاخلاق جلد دوم

عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کے گذشتہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین جن کی قوم کو از حد ضرورت تھی از ابتدائے ۱۲۸۷ہجری لغایت ۱۲۹۳ہجری چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اس میں سرسید کے وہ مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے ایک قسم کی روشنی پیدا ہوتی ہے تعداد میں یہ مضامین ایک کم سو ہیں اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ایک کورس مضامین نگاری کے لئے اتالیق - اردو لٹریچر کی جان - یہ وہی دلچسپ مضامین ہیں جنکی مقبولیت سے سرسید کو کامیابی ہوئی یہ ہی سچے اور بے لوث آرٹیکل ہیں جنہوں نے سرسید کا بول بالا کیا مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا - اسلام اور اسلامی ہمدردی کا سبق دیا - ان مضامین کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اصلاح قوم میں سرسید کو کس قدر رکاوٹیں پیش آئیں ہیں مفصل حالات کتاب کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہونگے - اہل ملک کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ کی کہاں تک ضرورت ہے یہ امر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو جاویگا کتاب بہت بڑی ہے ۶۳۲ صفحے پر نہایت خوشخط اور عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہے ... ... سے

تفسیر القرآن جلد اول

یعنی تفسیر اردو سورۃ الفاتحہ - سورۃ البقر مصنفہ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور ۱ صاحب آپ تو چل بسے مگر یہ نادر چھوڑ گئے ہیں ... ...

خلق الانسان

نئے فلسفہ دانوں نے انسان کی پیدائش کے متعلق نئی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ انسان کیڑے سے بنا ہے لیکن آج سے ۱۳ سو برس پہلے مسلمانوں کی پاک کتاب اس بات کو دنیا پر روشن کر چکی ہے اسی مضمون کو سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور نے قرآن سے لے کر نہایت وضاحت سے لکھا ہے اور نئے فلسفہ دانوں کا خوب جواب دیا ہے اس کا مطالعہ ہر بشر کے لئے ضروری ہے ۲

احکام طعام اہل کتاب

یعنی غیر مذہب والوں کے ساتھ کھانا کھانے کے احکام مصنفہ سر سید احمد خان مرحوم و مغفور ۶

مجموعہ لکچر سر سید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور

اس مجموعہ میں سرسید احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کے کل لکچر زمانہ غدر سے لیکر آج تک یعنی سرسید کی رحلت تک جتنے ہیں جمع کئے گئے ہیں - اس مجموعہ کے شروع میں سرسید کی وہ مقبول دعائیں جو سید صاحب نے وقتاً فوقتاً خداوند تعالیٰ کی جناب میں مانگی ہیں لکچروں کے شروع میں درج کر دی گئی ہیں - دعائیں بہت ہی مقبول و پر اثر ہیں - ان دعاؤں کے پڑھنے سے طبیعت [illegible]

نذر

مؤلفین کتب اپنی تالیفات کوئی خاص بات مدنظر رکھ کر کسی نامور شخص کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ مگر میں اس کتاب کو جو دراصل ضمیمہ ہے تہذیب الاخلاق کا

کون تہذیب الاخلاق ؟

جس نے سوتی قوم کو غفلت کی نیند سے جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا! برسوں کے بھولے ہوؤں کو راستہ دکھایا! کبھی زلایا! کبھی گرمایا! کبھی ملاطفت سے اور کبھی ملامت سے کام لیا! یعنی جناب فضیلت انتساب سید السادات الکرام نجم الہند والاسلام۔ سرآمد محدثین زماں۔ برآمد متکلمین پیشینیان و پیشینیاں

مفسر القرآن آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ والغفران

جس کے انفاسِ قدسی کی تاثیر سے عظامِ رمیمہ میں جنبش ہی نہیں پیدا ہوئی بلکہ مردے جی اٹھے۔ مخالفین خطفِ ابصار سے اور منکرین براہین قاطعہ کی بھرمار سے مر مٹے۔ مرد میدانِ فصاحت۔ مجدد دین و مصلح معاشرت کے آخری مضامین کو

اس قوم کے نام نامی پر معنون

کرتا ہوں جس کے واسطے وہ جگر گوشۂ بتول وآل رسول عمر بھر سر توڑ کوششیں کرتا رہا۔ وطن سے بیوطن ہوا۔ خویش و بیگانے اپنے بیگانے کا ہدف تیر ملامت بنا۔ سختیاں سہتا رہا۔ بُرے بول سنتا رہا۔ کبھی سودائی بنا کبھی مجنون۔ پر حرف شکایت لب تک نہ لایا۔ کہا تو یہی کہا کہ رب اھد قومی انھم لا یعلمون۔ قوم کی یاد میں جیا قوم کی دھن میں مرا۔ اور جب قومی کے شغف میں فنا فی القوم کے درجے کو پہنچا ✣

اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس عنونہ کی کہاں تک قدر کرتی ہے اور احسان مانتی ہے ✣

خاکسار فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور

فہرست آخری مضامین مذہبی و اخلاقی آنریبل ڈاکٹر سید احمد خان صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی

مرحوم و مغفور

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	دیباچہ	اول
۲	پردہ	۱
۳	ہز ہائینس سر شیر محمد خاں بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی والئے ریاست پالن پور گجرات کی ایک سوال کا جواب	۳
۴	اگلے زمانہ میں علوم ہئیتیہ اور علمائے عربیہ و فلسفہ یونانیہ کی ترقی کس وجہ سے تھی اور اب کیوں تنزل ہوگیا ہے	۵
۵	عجائبات کا ذہول اور عجائبات کا قبول	۲۰
۶	بحث ناسخ و منسوخ	۲۴
۷	ہمارے بعد ہمارا نام	۲۷
۸	عیسائیوں اور مسلمانوں میں باہمی مودت	۲۹
۹	ہماری قوم	۳۶
۱۰	غیر مذہب کے پیشواؤں کا ہم کو ادب کرنا چاہئے	۴۰
۱۱	سورج کی گردش زمین کے گرد قرآن مجید سے ثابت نہیں	۴۱
۱۲	قرآن مجید کی قسمیں	۴۴
۱۳	ہم کبھی اسی رنگ میں تھے	۴۸
۱۴	خلافت اور خلیفہ	۵۰
۱۵	ہندوؤں اور مسلمانوں میں ارتباط	۵۵
۱۶	یونانی اور ترک	۵۹
۱۷	ہندوستان میں اعلےٰ تعلیم اور گورنمنٹ	۶۲
۱۸	سلطان اور ہندوستان کے مسلمان	۶۷

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۷۱	ترکوں کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی ہمدردی	۱۹
۷۴	مسئلہ استجابت دعا کی نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف اشارہ	۲۰
۷۵	ہندوستان اور انگلش گورنمنٹ	۲۱
۸۰	سبع ارضین	۲۲
۸۸	مکاشفہ	۲۳
۹۱	عامۃ الورود	۲۴
۹۴	احادیث	۲۵
۹۹	خلافت	۲۶
۱۰۵	العجب ثم العجب	۲۷
۱۰۸	امام اور امامت	۲۸
۱۱۴	صبا نا صبا نا	۲۹
۱۱۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کا مذہب حنیف	۳۰
۱۲۲	ولادت مسیح کی نسبت ایک چٹھی اور اُس کا جواب	۳۱
۱۲۶	منتہی الکلام فی بیان مسائل الاسلام	۳۲
۱۳۲	تعلیم	۳۳
۱۴۲	ازواج مطہرات ۔ آخری مضمون ناتمام جس پر مصنف کا خاتمہ ہُوا	۳۴
۱۴۹	قوم کی زندگی اور موت ـــ ایضاً ـــ ایضاً	۳۵

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بعد حمد و نعت - برآراء رزینِ فضلاء عصر - و عقلاء دہر مخفی نہ رہے - کہ تہذیب الاخلاق مرحوم کے نہایت پاکیزہ - اور دل پر اثر کرنے والے مضامین کی صوری و معنوی خوبیاں - اُس کے پاک اثر جو ناظرین کی طبائع پر پڑتے رہے - مثلاً اہل ہند و پنجاب کو غفلت کی خواب سے جگانا جہالت کے قہار سمندر سے نکالکر علمی روشنی کے وسیع میدان میں لانا - اردو علم ادب میں ایک تازہ روح پھونکنا اور از سر نو جان ڈالنا - اُن اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کو جو کالی گھٹاؤں کی طرح اسلام کے نورانی چہرہ پر چھا گئے تھے - اپنے براہینِ قاطعہ اور دلائلِ ساطعہ سے دُور کر کر اُس کا اصلی اور حقیقی پاک صاف چہرہ دکھا دینا - امورِ تمدّن اور معاملات معاشرت کو بتا دینا - وغیرہ وغیرہ *

ایسی ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکیاں ہیں کہ نہ صرف موجودہ صدی یا چند آیندہ صدیوں کے لئے ہی عمدہ یادگار رہینگی - بلکہ جو جو قوم کی عالمگیر اصلاحات اِس صحیفہ فطرۃ کے انسان کامل (مصنّف علیہ الرحمۃ) نے دنیا میں کردی ہیں - وہ دیگر مذاہب کے احباب کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً ہر زمانہ اور ہر آن اپنا ممنون احسان و مرہونِ منّت رکھینگی - لیکن سب سے بڑھ کر بعض دلوں کے لئے تو (گو کہ اُن کی تعداد قلیل ہی ہو) اس برگزیدہ آفاق با مذاق تہذیب الاخلاق کی ایسی ہی مثال تھی - جیسے

تشنگانِ حجاز کے لئے آبِ زلال - اور دل دادگانِ تہذیب روحانی و جسمانی کے لئے معشوقِ شیریں جمال (یا یوں کہا جاوے کہ گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کے لئے خضرِ فرخندہ خصال) ہے۔

اِس کے کارناموں کے بیان میں ہزاروں قلمیں اور لاکھوں زبانیں عذب البیان اور رطب اللسان ہو چکی ہیں۔ اور روشن ضمیران اور زندہ دلانِ اہل ہند و پنجاب کی مسلم الثبوت رائے قرار پا چکی ہے کہ اپنے وقت کا یہ ایک ہی نامور اور لاثانی علمی رسالہ تھا۔ جس نے آفتابِ عالمتاب کی طرح افقِ مشرق سے طلوع پاکر اپنی زرّین شعاعیں پنجاب اور ہند تک ہی محدود نہیں رکھیں۔ بلکہ عالم عالم اس کے فیض سے مستفیض اور جہان جہان اس نور سے منوّر ہے۔

پس اس احقر العباد اور ہیچ میرز کی کیا مجال ہے کہ اس باب میں اُن بزرگانِ قوم کا ایک ہزارواں حصّہ بھی لکھ سکے۔ نہ تہذیب الاخلاق کو کسی کے تعارف کی ضرورت ہے اور نہ اپنی تعریف و توصیف کی کچھ حاجت۔ بلکہ یہ مجسّم خوبی اور سراپا محبوبی اپنی آپ تعریف ہے ع

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلام را

کسی شاعرِ باکمال نے شاید یہ شعر اسی کے شان میں کہا ہے ؎

شوقِ زلفِ تو نہ تنہا دلِ ما شیدا کرد
ہر کہ ایں سلسلہ را دید جنوں پیدا کرد

یہ ذخیرۂ دانش و سرمایۂ بینش زمانہ حال کی دینی اور دنیوی بہتری کے لئے ہی عزیز تر نہیں ہے۔ بلکہ جوں جوں ضروریات آنے والی نسلوں کو پیش آتی جاویںگی۔ خود بخود عزیز ترین ہوتا جاویگا۔ ملکی اور قومی لائبریریوں کی زیب و زینت ہو گا۔ اسلامی مجالس میں اس کے نہایت شوق سے تذکرے ہوا کرینگے۔ فاضل نامہ نگاران اس سے سند لیا کرینگے۔ اردو لٹریچر کے سیکھنے والوں کا حرزِ جان اور روحِ رواں ہوگا۔

ابتدائی سات سال کی شبِ وصل کے بعد جب یہ قمر رخصت ہونے لگا۔ تو اسکے دل دادگان یعنی پیارے تہذیب کے رشید شاگردوں نے اس کے فراق میں اپنا نالۂ رستخیز ماہ و تیر تک پہنچا دیا۔ اور ملکی اخبارات میں غایت درجہ کا رنج و ملال ظاہر کیا۔ جو اس کی

سچی اور بے لاگ قومی محبت کا عینی ثبوت تھا۔ اور واقعی اس بے نظیر اور لاثانی۔ اخلاقی تمدنی اور مذہبی اسلامی رسالہ کا ایسی حالت میں کہ ابھی ابھی مسلمانوں کی قوم غفلت کی خمار آلود خواب سے بیدار ہوکر قومی قومی کہنا سیکھی تھی۔ بند ہو جانا۔ قوم کی پرلے درجہ کی بدبختی اور کم نصیبی کا باعث تھا۔ چنانچہ اکثر احباب اہل اسلام جو شکستہ دل اور خستہ خاطر ہو گئے تھے۔ عجز و نیاز کے ساتھ سرسید مرحوم و مغفور کی خدمت میں گذارشیں کرنے لگے۔ کہ دوبارہ اس کو جاری کیا جاوے ٭

چنانچہ ماہ رمضان کے اخیر ۱۸۷۶ء انیسوی مطابق ۱۲۹۳ھ ہجری کو بند ہوا تھا۔ اور ۱۸۷۹ء انیسوی مطابق ۱۲۹۶ھ ہجری یعنی تین برس کی مدت کے بعد دوبارہ جاری ہوا۔ اور کس زور و شور اور آب و تاب سے نکلا۔ کہ پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر۔ یعنی دوئی کے حجاب کو دور کر کر باآواز بلند کہدیا۔ کہ اسلام اور فطرۃ دو نہیں ہیں۔ جس کا دل چاہے ایک کو دوسرے سے ملا کر کھرا کرے۔ اور جس کے دل میں ہماری طرف سے کچھ غبار رہے ہم کو نیچری کہکر نکالے۔ اس دوسری بار کی طرز و تحریر۔ رنگ ڈھنگ۔ نرالا اور انوکھا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی پورے اڑھائی برس بھی گذرنے نہ پائے تھے۔ کہ قومی اور اسلامی کاموں کے اس قدر انبار آ کر سرسید مرحوم پر پڑے کہ آخر کو خود بنفس نفیس اس کی خبر گیری نہ کر سکے۔ اور اور کسی کے دماغ میں وہ سرسبزی اور فطرۃ کے راز کہاں تھے۔ جو سرسید مرحوم کو قادر مطلق نے عطا فرمائے تھے۔ کہ قائم مقامی کا حق ادا کر سکتا۔ غرض تہذیب الاخلاق پھیکا پڑ گیا اور سرسید مرحوم کے دوستوں نے اس کا افسوس بذریعہ اخبار سفیر ہند امرتسر۔ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ تو آنجناب نے اس امر کو تسلیم کر لیا اور لکھ دیا۔ کہ فی الحقیقت تہذیب الاخلاق کا ایسا ہی حال ہو گیا ہے اور چونکہ دیگر اسلامی بہی خواہی کے کاموں سے مجھے فرصت نہیں ملتی۔ اس لئے اسے بند کیا جاتا ہے۔ اور دوستوں کو افسوس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کو **تفسیر القرآن** اس کا نعم البدل ملیگی۔ اب تہذیب کے فریفتوں نے یقین کر لیا۔ کہ اس عقل افزا دلربا معشوق کا نورانی چہرہ پھر کبھی ہماری آنکھوں کو روشن نہیں کریگا۔ ان اڑھائی سال کی جلدیں بھی موجود ہیں۔ اور موجودہ اور آیندہ اسلامی دنیا کو سوا اس کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ کہ اپنے گھروں میں انہیں عزت اور تعظیم کے ساتھ رکھیں۔ اور ان کا

مطالعہ کیا کریں) ٭

پھر نہ تو سرسیّد مرحوم کے کسی دوست کو یہ جرأت ہوئی۔ کہ سہ بارہ اس کے اجراء کی تحریک کرے۔ اور نہ (جہاں تک میری یادداشت ہے) کسی ملکی اخبار میں اس باب میں کچھ لکھا پڑھا گیا ٭

مگر "ناظرین باتمکین" قوم کی خوبیٔ اقبال کا ستارہ ایک دفعہ اور اوج سطوت پر چمکنے کو تھا جس میں وہ یارِ دیرینہ (تہذیب الاخلاق) ابھی ایک بار اور بھی اپنا جمال دکھائے۔ اور نئے کرشمہ و ناز اور انوکھے عشوہ و انداز سے ہمارے سامنے جلوہ دکھائے اور اپنے علمی تبحّر اور قدرتی خوبیوں سے جو خداوند تعالےٰ نے اس کے بانی مبانی کی طبیعت میں ودیعت کر رکھیں تھیں۔ اُن کو کام میں لاکر قرآن مجید کے حقائق اور معارف نیچرل تفسیر سے ہمیں سمجھائے۔ مگر اس خوشخبری کے ظاہرا کسی قسم کے آثار نمایاں نہ تھے۔ کہ یکا یک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ میں جو دسمبر ۱۸۹۳ء میں بمقام علیگڈھ منعقد ہؤا۔

شمس العلماء حافظ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب کی روانیٔ طبع کے موّاج سمندر کی موج نے دھر پلٹا کھایا۔ اور تہذیب الاخلاق کی چھڑ گئی۔ اس ہندوستان کے سحبان وائل میں خدا جانے خطیب بغدادی کی پاک روح نے حلول کیا ہے۔ یا جعفر طیار ہی داخل ہوگیا ہے۔ سامعین کو اپنے ہاتھ کا کھلونا بنانا انہیں کا کام ہے ٭

غرض مولنا موصوف نے اپنی طلاقت لسانی اور جادو بیانی کے سمند خوش خرام کو فصاحت اور بلاغت کے میدان میں اس درجہ تک جولانی دی۔ کہ حاضرین جلسہ کو دنگ ہی کر دیا۔ اور بیچارے سرسید مرحوم کو کوئی چارہ نہ رہا بجز اس کے کہ معترف ہو کر صدق دل سے اپنے اس قصور کا اقرار کرلیں ٭

چنانچہ اسی سہ ماہی کے اخیر ۱۳۲۴ نبوی مطابق ۱۳۱۱ ہجری قریباً گیارہ برس کے عرصہ کے بعد اپنے جگر پارہ پارہ کو سہ بارہ قوم کے نظارہ کے لئے پیوند کرنا چاہا۔ جیسا کہ خود حضرت اعلان کی پیشانی قائم کی تھی ؎

آمادہ گشتہ ام دگر اینک نظارہ را　　پیوند کردہ ام جگرِ پارہ پارہ را

اور تیسری بار باسبب آخری بار تہذیب الاخلاق پھر صفحۂ ہستی پر آیا۔ مگر اس دفعہ ایک اور ہی قسم کے عشوے اور ادائیں غمزے اور ناز و انداز ساتھ لے کر آیا۔ اب کے مضامین سوائے معدودے چند کے نری تفسیر القرآن ہی تھے۔ جس کی مسلمانوں کو کمال درجہ کی ضرورت اور اشد درجہ کی حاجت تھی۔ مگر افسوس ہے۔ اور صد افسوس اُن مسلمانوں پر جنہوں نے ایسے بیش قیمت اور لاثانی جواہرات کی کما حقہٗ قدر کی اور نہ ہی قلمی امداد دی۔ اور تہذیب الاخلاق آخری تین سال جاری رہکر اخیر ماہ رمضان ۱۳۲۶ نبوی مطابق ۱۳۱۴ ہجری کو اپنا قالب تبدیل کرکر علیگڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ کے ساتھ شامل ہوگیا +

الحق کہ یہ دار ناپائدار (دنیا) گذشتنی اور گذاشتنی ہے۔ نہ دل بستنی اور دل آویختنی۔ جو نگل عرش بریں تک بلند ہُوا۔ آخر اُسے بھی فرش زمین پر گرنا ہے کل نفس ذایقة الموت اور کل من علیها فان کا ہر کہ و مہ پر دور و دورہ ہے سہ

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید   ز جام دہر مئے کل من علیها فان

۲۷۔ مارچ ۱۸۹۸ء کا دن بھی آپہنچا۔ جو قوم کی آرزؤں اور امیدوں کا خاتمہ کرنے والا تھا۔ اور اس وحشت اثر خبر نے مشتہر ہوناتھا۔ کہ آج وہ ملک کے جان نثار۔ اور مسلمانوں کے عملی غمخوار مصلح و ریفارمر مجتہد و مجدّد۔ پیشوائے ملت و امام وقت اسلام کے عاشق صادق۔ قوم پر اپنا تن من دھن قربان کر دینے والے سرسید اس دار فانی سے رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن +

مولوی سید میر حسن سیالکوٹی فرماتے ہیں " عزیزو " حضرت (سرسید مرحوم) ماہ ذی الحج مبارک کی پانچویں تاریخ ۱۲۳۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اس مہینے کو ہمارے ملک میں بڑی عید کا مہینہ کہتے ہیں۔ گویا سرسید مرحوم کا تولد مسلمانوں کے لئے بڑی عید تھا اور پھر حضرت ممدوح کی وفات حسرت آیات ماہ ذی القعد کی پانچویں

تاریخ کو ۱۳۱۵ھ ہجری میں ہوئی۔ اس ماہ کو ہمارے ملک میں **خالی** کا مہینہ بولتے ہیں۔
گویا ملک کو اس بڑی عید کی خوشی سے خالی کر گئے ؎ ناسخ

کر گیا ہے مری آغوش کو جاناں خالی
اس مہینے کو بجا کہتے ہیں انساں خالی

پھر ان کے مغفور و مرحوم ہونے کے لئے مادہ غُفِرَلَہٗ کیا ہی عمدہ ہے۔ گویا
پیدا ہوئے تو مسلمانوں کے حق میں بڑی عید کی خوشی۔ وفات ہوئی تو ملک خالی ہو گیا
اور حضرت کا خاتمہ مغفرت پر ہوا۔

چونکہ سرسیدؒ ملک ہند میں ہی پیدا ہوئے۔ ہند ہی میں وفات پائی۔ اور
اسی ملک میں حضرت کی نعش مبارک مدفون کی گئی۔ اس لئے مولانا موصوف نے
ہندی تاریخ سمت ۱۹۵۵ اس فقرہ سے نکالی ہے:-

وفات حسرت آیات سرسیداحمد

پس سرسید مرحوم کے وجود با جود کے ساتھ ہی آنے والے مضامین تہذیب
بھی ہم سے ابدی جدائی کر گئے۔ جن کی حسرت کبھی ہمارے دل سے دُور نہ ہوگی ؎ (ذوق)

کیا حبیب کو مجھ سے جُدا فلک نے اگر
نہ کر سکا مرے دل سے غم حبیب جُدا
جُدا نہ درد جُدائی ہو گر مرے اعضا
حروف درد کی صورت ہوں بے طبیب جُدا

آخری مضامین ماہ رمضان ۱۳۱۴ نبوی سے لے کر۔ خاص کر وہ مضامین جن کی
پیشانی پر لفظ تہذیب الاخلاق لکھا ہوا ہے۔ بہت تھوڑے احباب نے اُن کو دیکھا
اور اُن سے فائدہ حاصل کیا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے ساتھ شائع
ہوتے تھے۔ جس کی بہت تھوڑی کاپیاں نکلا کرتی تھیں۔ اور جس کا سالانہ چندہ
اس قدر زیادہ تھا۔ کہ ایک متوسط درجہ کی حیثیت کے مسلمان اُن کو خرید نہ سکتے تھے
پھر ناظرین خوب جانتے ہیں کہ ہندوپنجاب کے کم لوگ ہی ایسے شوقین ہوتے ہیں
جو اخباروں کے فائیل اپنے پاس جمع رکھیں۔ پس میرے اس اخلاص نے جو
سرسید مرحوم سے مجھے تھا۔ اور جس کو میرا دل ہی جانتا ہے۔ اس بات پر آمادہ کیا۔
کہ جہاں تک ممکن ہو۔ اِن مضامین کو بہت جلدی چُن کر ایک کتاب کی صورت بنا دیا جائے

تاکہ روشن ضمیر مسلمان اس سے فائدہ اٹھاویں ۔
چنانچہ حسب الارشاد مولوی فضل الدین صاحب تاجر کتب قومی دکان لاہور (جو سر سیّد مرحوم کے خاص دوستوں میں سے ہیں ۔ اور جنہوں نے زر کثیر صرف کر کر اس برگزیدہ سلسلہ (تہذیب الاخلاق) کو از سر نو قسم وار چھپوا کر مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے ۔ اور جن پر سر سیّد مرحوم نے مندرجہ حاشیہ ریمارک کیا تھا) اِن مضامین کے جمع کرنے کی خاطر مجھے چند بڑے بڑے شہروں میں جانا پڑا ۔ تو میں نے بہت بڑی محنت سے ان کو بہم پُہنچایا ۔ تاکہ برادران اہل اسلام ان جواہرات سے بیشمار فائدے حاصل کریں ۔ کیونکہ یہ مضامین بھی جن میں سے اکثروں کو دوسرے الفاظ میں تفسیر القرآن لکھنا چاہیئے ۔ جیسے کہ کالجوں اور سکولوں کے نوجوانوں کے لئے اکسیر اعظم کا کام دینگے ۔ ویسے ہی ہمارے مقدس و بزرگ علمائے اہل اسلام کے درسوں کے حلقوں میں جہاں تفسیر القرآن سر سید اور دیگر تفاسیر کھلنی ہیں ضرور وہ کھلا کرینگے ۔
اگر ان مضامین کا نام تہذیب الاخلاق بار سوم کی جلد چہارم رکھا جاتا ۔ تو نو ویں مضمون مذہبی و اخلاقی سر سید مرحوم کے اس جلد میں نہیں آ سکتے تھے ۔ اور صرف دو مضمون دیگر مصنفین کے شامل ہو سکتے تھے ۔ ناچار مولوی محمد فضل الدین صاحب موصوف نے یہی صلاح دی کہ جس قدر سر سیّد مرحوم کے مذہبی و اخلاقی و تمدنی مضامین ہیں ۔ اُن کو چن کر اس جلد میں داخل کردو ۔ اور اُن دو مضمونوں کو الحال

---

۱ منقول از صفحہ ۸۰۰ علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ ۱۸۹۵ء جلد دوم ۔ مجموعہ مضامین تہذیب الاخلاق
اس سے پہلے ہمارے مکرم دوست منشی فضل الدین صاحب تاجر کتب قومی لاہور نے ایک مجموعہ اُن تمام مضامین کا چھاپا تھا جو نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی سات برس کے قریب تک تہذیب الاخلاق کے پرچوں میں لکھتے رہے ہیں ۔ اب انہوں نے اس کی دوسری جلد چھاپی ہے ۔ اور اس میں ہفت سالہ سید احمد خاں کے جو مضامین وقتاً فوقتاً تہذیب الاخلاق میں چھپتے رہے ہیں نہایت خوبی و ترتیب سے جمع کردئے ہیں ۔ اور جلد دوم تہذیب الاخلاق سے اُس کو موسوم کیا ہے ۔ اس جلد کے ۲۲۰ صفحے ہیں اور صفائی اور خوبی سے چھاپے گئے ہیں ہم اس کی نسبت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھ سکتے کہ ہمارے مکرم دوست منشی فضل الدین صاحب نے نہایت عمدگی سے وہ سب مضامین جمع کئے ہیں اور جو لوگ مضامین تہذیب الاخلاق کو پڑھنا چاہتے ہوں اُن کے لئے یہ مجموعہ نہایت بکار آمد ہے ۔ قیمت اسکی تین روپیہ ہے اور ہمارے دوست م

۲ منشی محمد فضل الدین صاحب تاجر کتب قومی لاہور سے دستیاب ہو سکتا ہے ۔ دستخط (سید احمد)

رہنے دو۔ جس قدر سرسید مرحوم کے پولٹیکل لکچر اور اسپیچیں ہیں۔ اُن کو علیحدہ کتاب میں لیا گیا ہے۔ جو عنقریب ہی انشاء اللہ تعالےٰ شائع ہوگی۔ اور جب یہ مشورہ ہم نے جناب حافظ مولوی سیّد میر حسن صاحب پروفیسر مشن کالج سیالکوٹ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے بھی اس پر صاد کیا*

سب سے آخری مضمون ناتمام جس کی پیشانی ہے **ازواج مطہرات رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم** اگر پورا ہوجاتا۔ تو اپنا آپ ہی ثانی ہوتا۔ مگر پیک ایزدی نے اپنے مالک حقیقی کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اس مضمون کا باقی حصہ جو ابھی مصنّف مرحوم کے دل و دماغ میں ہی تھا۔ زبان قلم پر نہ آسکا۔ چنانچہ خود سرسید مرحوم اپنے ایک خط میں جو ۱۱۔ مارچ ۱۸۹۸ء کو جناب حافظ مولانا مولوی سید میر حسن صاحب موصوف کو تحریر فرمایا تھا لکھتے ہیں:۔

"ان دنوں میں ایک بہت نازک اور بڑے امر پر ایک رسالہ لکھ رہا ہوں یعنی ازواج مطہرات رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر۔ یہ رسالہ چھپے گا تو مجھے یقین ہے کہ کسی کے دل میں کوئی شبہ باقی نہیں رہیگا"*

ناظرین غور کرو۔ اِس قابل ادب و لائق تعظیم نیک دل مسلمان سے زیادہ سچا اور وعدہ وفا کون ہوسکتا ہے۔ جس کا عالم شباب۔ کہولت اور شیخوخت۔ اسلامیوں کی خیرخواہی میں گذرا۔ اور پھر خاتمہ بالخیر اسلام کی حمایت اور ہمدردی میں ہوا۔ ہاں ع

بریں زاد و بریں بود و بریں مُرد

میری آخری التجا اس کتاب کے پڑھنے والوں کی خدمت میں یہ ہے۔ کہ وہ سرسیّد مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کریں*

اُرحم الراحمین اِلٰہ پاک سرسید مرحوم کو اپنے حبیب احمد مجتبیٰ رسول کریم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی بدولت اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین*

احقر العباد

امام الدین گجراتی

۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آخری مضامین مذہبی و اخلاقی

آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں صاحب بہادر کے سی ایس آئی

مرحوم و مغفور

پردہ

اِن دنوں میں عورتوں کے پردہ کی نسبت متعدد تحریرات اخباروں میں شائع ہوئی ہیں۔ اور ہمارے بعض عزیز جن کو ہم لحمک لحمی کہہ سکتے ہیں۔ اور بعض ہمارے مخدوم جن کو ہم فخر قوم کہہ سکتے ہیں۔ پردہ کے مخالف ہیں۔ مگر ہم کو گو لوگ نئے فیشن کا سمجھیں۔ مگر ہم تو اُسی پرانے دقیانوسی اگر فیشن کے نہیں ہیں۔ تو دقیانوسی مزاج کے تو ضرور ہیں۔ اور اس لئے ہم اپنے مخدوموں کی رائے کے مخالف ہیں۔ اور عورتوں کا پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ اُس کو نہایت عمدہ سمجھتے ہیں ؛

اس بات پر بحث کرنی کہ قرآن مجید سے پردہ مروّجہ عورات اہل اسلام ثابت ہوتا ہے یا نہیں محض فضول ہے۔ کیونکہ اگر مسلمان مرد اپنے افعال و عادات میں پابند شریعت اور تابع احکام قرآنی ہوتے تو اس وقت عورتوں کے

پردہ کی بابت اس بات کی گفتگو کرنی کہ قرآن مجید سے مروّجہ پردہ ثابت ہے یا نہیں زیبا ہوتی۔ مگر جب ہمارے مردوں کی نسبت قرآن مجید نے کسی امر کے اتباع کی نسبت بحث نہیں کی جاتی۔ تو عورتوں کے پردہ کی نسبت یہ بحث کرنی کہ قرآن مجید سے ثابت ہے یا نہیں کیسی نازیبا معلوم ہوتی ہے ٭

یہ خیال کرنا۔ کہ اگر پردہ کی رسم اٹھ جائے تو ہندوستانیوں کو انگریزوں سے زیادہ راہ و رسم اور ارتباط کا موقع ملیگا۔ محض غلط خیال ہے۔ پہلے تم اپنے تئیں تو انگریزوں سے ملنے اور ارتباط پیدا کرنے کے لائق بنا لو۔ پھر عورتوں کی طرف متوجہ ہونا ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی ٭

سوال

خدا نے یہ تمام کائنات کیوں اور کس مقصد سے پیدا کی ؟
دیوان سر شیر محمد خاں والئے پالن پور گجرات

جواب سید احمد خاں

سوال جو پوچھا جاتا ہے اُس کا جواب دو طرح پر ہوتا ہے یا تو بتایا جاتا ہے کہ یہ سوال ہی سرے سے غلط ہے یا اُس کا جواب دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ سوال کرے۔ کہ دس اور پانچ ملکر بیس کیوں ہوتے ہیں۔ تو اُس کو جواب دیا جائیگا۔ کہ یہ سوال ہی سرے سے غلط ہے۔ اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ دس اور پانچ ملکر پندرہ کیوں ہوتے ہیں۔ تو اُس کا جواب دیا جائیگا کہ پانچ دس کا نصف ہے۔ اور جب اس کو دس میں ملائیں تو ڈیوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور پندرہ بھی دس کا ڈیوڑھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ پانچ کو دس میں ملائیں۔ تو پندرہ ہو جاتے ہیں۔ مگر جب کوئی شخص سوال کرتا ہے تو اس بات پر بھی خیال کرنا ضرور ہوتا ہے۔ کہ یہ سوال انسان کے دل میں کیوں پیدا ہوا ہے۔ جب ہم اُس سوال پر خیال کرتے ہیں۔ جو پوچھا گیا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانی مصنوعات کو جب انسان دیکھتا ہے۔ تو اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ کیوں اور کس مقصد سے بنائے گئے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کمہار نے ایک پیالا بنایا تو انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہؤا۔ کہ یہ کیوں بنایا ہے۔ اُس کا جواب دیا جاتا ہے کہ کسی چیز کے رکھنے کو یا کسی رقیق چیز کے پینے کو یہ سوال ایسی حالت میں درست ہوتا ہے۔ جب کہ اُس کے بنانے والے کی اور اُس کے بنانے کی حقیقت اور ماہیت معلوم ہو۔ لیکن اگر اُس کے بنانے والے کی اور اُس کے بنانے کی حقیقت اور ماہیت معلوم نہ ہو۔ تو اُس وقت یہ سوال

درست نہیں ہوتا۔ بلکہ غلط ہوتا ہے۔ کیونکہ جو منشا اس قسم کے سوال کا بنانے والے کے حالات معلوم ہونے سے انسان میں پیدا ہوتا ہے وہ منشا خدا کی نسبت صادق نہیں آتا۔ کیونکہ خدا کی اور اُس کی صنعت کی حقیقت اور ماہیت معلوم نہیں ہے بلکہ اُس کا جاننا۔ فطرت انسانی سے خارج ہے۔ پس خدا کی اور خدا کے کاموں کی حقیقت اور ماہیت معلوم نہیں ہے۔ اور اسی لئے یہ سوال خدا کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ غلط ہے۔ پس اس کا جواب یہی ہے۔ کہ یہ سوال عقلاً نہیں ہوسکتا کہ خدا نے یہ تمام کائنات کیوں اور کس مقصد سے پیدا کی ہے۔ یہ تو سوال کے غلط ہونے کی عقلی دلیل ہے۔ لیکن اگر ہم مذہب کے رو سے جواب دینا چاہیں۔ تو صرف ہم کو اس قدر کہنا کافی ہے۔ کہ خدا نے قرآن مجید میں فرما دیا لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

اگر ہم زیادہ عام فہم طور پر اس سوال کا جواب بیان کرنا چاہیں تو یوں کہیں کہ کمہار نے مٹی کے کھلونے بنائے ہیں۔ کسی کو ہاتھی بنایا ہے۔ کسی کو گھوڑا کسی کو شیر کسی کو بکری۔ کسی کو بلی کسی کو چوہا۔ کسی کو لنگڑا کسی کو لولا۔ تو کیا مٹی اس سے پوچھ سکتی ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے۔ پس انسان کی کیا مجال ہے کہ خدا کی نسبت ایسا سوال کر سکے۔

ہاں خدا نے بہت جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ ہم نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے۔ کہ ہماری عبادت کرے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے۔ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ پس مسلمانوں کو اُس کے مطابق خدا کی عبادت جس طرح خدا نے عبادت کا حکم دیا ہے۔ عبادت کرنی چاہئے۔ اور اگر کوئی غیر مذہب والا جو قرآن مجید کو نہیں مانتا۔ اُس کی وجہ دریافت کرنی چاہے۔ تو ہم عقلاً بخوبی ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ انسان کا نیچر جس پر خدا نے اُس کو مخلوق کیا ہے۔ اُسی کا مقتضی ہے۔ مگر یہ بحث بہت طویل ہے اور بقول ایک دانشمند شخص کے ٹیبل ٹاک[1] میں اُس کے بیان کی گنجائش نہیں۔

---

[1] ٹیبل (دیہ) ٹاک (گفتگو) کھانا کھانے کے وقت کی گفتگو۔

اگلے زمانہ میں علومِ دینیہ و علومِ عربیہ و فلسفہ یونانیہ کی ترقی کس وجہ سے تھی اور اب کیوں تنزل ہو گیا ہے

ایک کلیہ قاعدہ ہے جو ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم سے یکساں تعلق رکھتا ہے اور کوئی چیز کسی زمانہ میں اس سے مستثنےٰ نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ جس چیز کی قدر ہوتی ہے اُسی کی بہتات ہوتی ہے۔ جس کو انگریزی میں ڈمانڈ اور سپلائی کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ✣

ڈمانڈ اور سپلائی پولیٹیکل اکونمی کے اصطلاحی الفاظ ہیں۔ مگر ہم نے ان کی جگہ قدر اور بہتایت کے لفظ قائم کئے ہیں۔ تاکہ تمام اشیاء مادی و غیر مادی پر حاوی ہوں۔ کیونکہ درحقیقت یہ دو لفظ اشیاء مادی اور غیر مادی دونو سے برابر تعلق رکھتے ہیں ✣

یہ بھی کلیہ قاعدہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ کیا جاتا ہے کسی نہ کسی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اور وہ غرض کبھی تو اس کام کا معاوضہ حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ اور کبھی کسی امر میں کمال حاصل کرنے کی جس کے باعث خود اس کے دل میں ایک قسم کا فخر پیدا ہوتا ہے۔ یا اعزاز و تقدّس پیدا ہونے کی جس کی لوگ قدر کرتے ہیں۔ یا صرف دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے بغیر کسی ذاتی غرض کے یا بہ نیّت خالص تقرب الی اللہ کے پس ان تمام اسباب سے جس چیز کی قدر کی جاتی ہے اُسی کی بہتایت ہوتی ہے ✣

مثلاً عرب جاہلیّت میں شاعری کا بہت چرچا تھا ہر سال عکاظ کی منڈی میں شاعر جمع ہوتے تھے۔ اور اپنے اشعار پڑھتے تھے۔ اور ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجاتا۔ اور اپنا فخر اوروں پر جتلانا چاہتا تھا جس سے اس کے دل میں بھی ایک قسم کا فخر پیدا ہوتا تھا

اور تمام قوم اس کو مفخر و معظم سمجھتی تھی۔ اور جزیرہ عرب میں اس کی ناموری ہوتی تھی۔ اور یہی غرض ان کو شاعری سے تھی۔ اور اسی کی قدر ملک میں بھی تھی۔ اس زمانہ میں شاعری کا بڑا عروج تھا۔ نہایت عمدہ شاعروں کے قصیدے خانہ کعبہ میں لٹکائے جاتے تھے جن میں سے سات قصیدے اب تک مشہور و معروف ہیں۔ پھر اسلام کا زمانہ آیا۔ اور کذب کی برائی بتلائی۔ اور بتوں کی پرستش اور ان کی الٰہیہ تعریف کی جو ایک زیور بت پرستوں کی شاعری کا تھا ممانعت ہوئی۔ اور خدا نے فرمایا "والشعراء یتبعھم الغاؤن الم تر انھم فی کل وادٍ یھیمون وانھم یقولون ما لا یفعلون" اس سبب سے شاعری کی وہ قدر نہ رہی جو زمانہ جاہلیت میں تھی۔ اور شاعری کو تنزل ہو گیا امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں نہایت عمدہ بات لکھی ہے کہ اسلام کے بعد تمام شاعروں نے کذب چھوڑ دیا تھا۔ اور سچائی اختیار کی تھی۔ اس سبب سے ان کی شاعری اچھی نہ رہی تھی اور اس میں تنزل ہو گیا تھا۔ لبید اور حسان جب دونو مسلمان ہو گئے۔ تو ان کے اشعار زمانہ اسلام کی عمدگی اور خوبی میں ان کے ایام جاہلیت کے اشعار کے برابر نہ تھے۔ با ایں ہمہ اسلام کے شروع زمانہ میں کچھ شعر زمانہ جاہلیت کے باقی تھے۔ اور ان لوگوں میں بھی جو زمانہ قریب اسلام میں پیدا ہوئے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ کے شعرا کا کچھ اثر تھا جس کی مثال فرزدق میں پائی جاتی ہے کہ جب ہشام ابن عبد الملک حج کو گیا تو طواف میں کثرت ہجوم خلائق سے اس کو حجر اسود تک پہنچنے کا رستہ نہیں ملتا تھا۔ مگر جب ہمارے دادا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام طواف کرتے کرتے وہاں پہنچے تو تمام ہجوم کائی کی طرح پھٹ گیا۔ اور حضرت امام کو حجر اسود تک جانے کا راستہ دیدیا۔ ایک شخص نے جو شام کا رہنے والا تھا ہشام سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں؟ اس نے تجاہل عارفانہ سے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ وہاں فرزدق شاعر بھی موجود تھا ہشام کا یہ کہنا اس کو بہت برا معلوم ہوا۔ اس نے حضرت امام کی شان میں فی البدیہہ ایک قصیدہ کہا جس کے یہ چند اشعار ہیں ؎

ھٰذا الذی تعرف البطحاء وطاتہ	والبیت یعرفہ والحل والحرام
ھٰذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا التقی النقی الطاھر العلم
ھٰذا ابن فاطمہ ان کنت جاھلہ	بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

ماقال لا قط الا فی تشہدہٖ   لولا التشہد کانت لاؤہ نعم

یعنی یہ وہ شخص ہے کہ مکہ کی زمین اس کے نقش قدم کو پہچانتی ہے۔ اور خدا کا گھر اور اسکی بزرگ زمین اور تمام جنگل اور میدان اس کو جانتے ہیں۔ یہ فرزند ہے اُس کا جو تمام خدا کے بندوں میں سب سے بہتر تھا۔ یہ ہے بزرگ اور مقدس اور پاک جس کو سب جانتے ہیں۔ یہ ہے فرزند فاطمہ کا گو کہ تو اس کو نہ جانتا ہو۔ اسی کے دادا پر خدا کے نبیوں کی نبوت ختم کی گئی ہے۔ یہ ایسا فیاض ہے کہ بجز کلمہ پڑھنے کے کبھی اس نے "لا" کا لفظ نہیں کہا۔ اگر کلمہ میں بھی "لا" نہ ہوتا تو "لا" کی جگہ وہ "نعم" ہی کہتا ✦

زمانۂ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس میں پھر شاعری کی قدر ہوئی۔ مگر شاعری کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ نہ اشعار میں عرب جاہلیت کا جوش تھا۔ نہ سادگی اور سلاست باقی رہی تھی۔ ہاں مضامین دقیق اور نازک جو عرب جاہلیت کے خیال میں بھی نہ تھے۔ اور شاندار لفظ جو عرب جاہلیت کی سادگی کے مقابلہ میں ہیچ تھے۔ شعروں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر عرب جاہلیت کے اشعار تک کب پہنچ سکتے تھے۔ جیسے کہ فارسی میں ظہوری اور نظیری نے بہت کچھ لفاظی اور مضمون آرائی کی۔ مگر حافظ کی شاعری سے جو نہایت سادہ اور آمد کی خوبیوں سے مملو تھی۔ ان کے اشعار جن میں آورد کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ کب لگا کھا سکتے تھے ✦

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ کے بعد شاعری کی اور بھی قدر گھٹتی گئی۔ اور اسی کے ساتھ اس میں تنزل آتا گیا۔ اور اب یہاں تک تنزل آ گیا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اپنے تئیں بھی عربی کا شاعر کہنے لگوں۔ گو کہ میں نے کبھی عربی کا شعر نہیں کہا۔ اور نہ کہہ سکتا ہوں۔ بلکہ عربی اشعار کو موزوں پڑھ بھی نہیں سکتا۔ اس سے بخوبی ثابت ہے کہ جس چیز کا ڈمانڈ نہیں ہے۔ اُس کی سپلائی بھی نہیں ہے۔ یعنی جس چیز کی قدر نہیں ہے۔ اس کی بہتایت بھی نہیں ہے ✦

مگر یاد رہے کہ جو چیز دنیا میں بکار آمد اور فائدہ مند ہوتی ہے اُس کی قدر کبھی نہیں گھٹتی۔ جب تک کہ اس سے زیادہ مفید دوسری چیز پیدا یا ایجاد نہ ہو جائے اور جو چیزیں بطور مشغلہ کے ہوتی ہیں۔ تو جب مشغلہ رکھنے والے نہیں رہتے یا وہ ذریعہ باقی نہیں رہتا جو اس مشغلہ کو قائم رکھے۔ تو ان چیزوں کی قدر گھٹ جاتی ہے

شاعری اسی قسم کی چیز تھی۔ جس کی قدر زیادہ تر بطور مشغلہ کے کیجاتی تھی۔ جب وہ نہ رہے تو لازمی طور سے اس کا تنزل ہونا تھا۔ کیونکہ جب ڈانڈ نہ رہے تو سپلائی بھی نہ رہی ✤

نثر زمانۂ جاہلیت کی ہم تک نہیں پہنچی۔ اور جو ٹکڑے نثر جاہلیت کے بعض کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان پر پورا یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ خالص جاہلیت کے ہیں اسلام کے قرن اول کا کلام یا خطبات جس قدر ہم کو ملتے ہیں۔ وہ بھی بذریعہ روایات کے ہم تک پہنچے ہیں۔ ان پر بھی پورا یقین نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ خالص کلام قرن اول اسلام کا ہے۔ صرف قرآن مجید ہمارے پاس یقین کے قابل ہے۔ جو ابتدائے اسلام اور آخر عہد جاہلیت کا کلام یقیناً خیال میں آسکتا ہے ✤

قرآن مجید کو ہم وحی متلو یا خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ مگر جب وہ انسانوں کی زبان میں نہایت فصیح و بلیغ طرز پر وحی ہؤا ہے۔ تو اس لئے ہم اس کو اس زمانہ کے لٹریچر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر وہ کلام ایسا بے نظیر اور بے مثل ہے کہ آج تک نہ کسی سے ویسا ہؤا ہے۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ نہ مثل اس کے آیندہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب ہم نے دکھایا ہے کہ عربی لٹریچر کا روز بروز زوال ہوتا گیا ہے تو یہ پیشین گوئی کرنی کہ آیندہ بھی مثل قرآن کے کوئی تحریر نہیں ہو سکنے کی۔ کوئی ناقابل یقین بات نہیں ہے۔ ان تمام وجوہات سے ہم زمانۂ جاہلیت کی نثر سے اسلام کے بعد کی نثر میں جو تنزل ہوا ہے اس کو علانیہ نہیں دکھا سکتے۔ مگر جب کہ فصحائے عرب مثل قرآن کے کوئی تحریر نہ لا سکے تو اس پر یقین ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کے فصحا بھی قرآن کی مثل تحریر کرنے پر عاجز تھے ✤

سخت افسوس اُن لوگوں پر ہے جو یہ سمجھتے ہیں یا کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت بھی یکساں نہیں ہے۔ بلکہ بعض آیتیں نہایت اعلےٰ درجہ کی ہیں اور بعض مقامات ویسے اعلےٰ درجہ کے نہیں ہیں۔ مگر ایسا کہنا یا سمجھنا ان لوگوں کی نہایت ناسمجھی ہے ادائے کلام مقتضائے اس مضمون کے ہوتا ہے جو ادا کیا جاتا ہے نعیم جنت اور وعید جحیم ایک طرز کلام سے ادا نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ان کو ایک طرز پر ادا کرنا۔ مقتضائے فصاحت و بلاغت ہے۔ جس وقت کہ ایک مضمون قہر آلود وا سطے

زجر و توبیخ لوگوں کے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اور لفظوں کی ترتیب اور فقروں کی ترکیب دوسری طرح کی ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کو پڑھتے ہیں تو اس وقت صرف وہ لفظ ہی موجود ہوتے ہیں۔ اور جس ٹون سے وہ لفظ ادا کئے گئے ہیں۔ وہ ٹون موجود نہیں ہوتی۔ مگر اس کے الفاظ اور لفظوں کی ترتیب اور فقروں کی ترکیب اس قسم کی ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں وہی ٹون پیدا کر دیتی ہے۔ اور جب کوئی مضمون محبت اور شفقت اور رحم اور عفو کا بیان ہوتا ہے تو اس کے لفظ اور لفظوں کی ترتیب اور فقروں کی ترکیب جدا قسم کی ہوتی ہے اور جب کوئی واقعہ یا حالات بیان کئے جاتے ہیں تو اس کے الفاظ نہایت سادہ اور عبارت سلیس اور سہل ممتنع ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ تینوں قسم کے مضامین اور ان کے مناسب الفاظ اور ان کے مطابق طرز بیان سب موجود ہے۔ اور ہر قسم کا مضمون جس طرح پر بیان ہوا ہے وہ بے مثل اور بے نظیر عبارت میں بیان ہوا ہے۔ پس یہ کہنا کہ کے رسد" تبت یدا" یا "قیل یا ارض ابلعی" نہایت بے سمجھی اور محض سفاہت کی بات ہے ؞

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں جو شرحیں لکھی گئیں اور جن پر ان کے لکھنے والوں کو مثل مقامات حریری وغیرہ کے فخر ہے۔ وہ قرآن مجید کے سامنے نہایت ہی مبتذل اور نہایت ہی حقیر ہیں۔ اور ہر شخص یقین کر سکتا ہے کہ جو سادگی اور سلاست عرب جاہلیت سے منسوب ہے۔ وہ مطلق اس کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اور نہ عرب جاہلیت کے خیالات اس قسم کے تھے جو اُن میں ادا کئے گئے ہیں ؞

سب سے زیادہ مقدس حدیث کا علم ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت میں تو حدیث کی روایت کرنے کی ممانعت تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حدیث کی روایت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ جو لوگ حدیث کی روایت کرتے تھے۔ ان کی درّہ سے خبر لیتے تھے۔ اور ابن مسعود۔ ابودرداء اور ابو مسعود انصاری کو بجرم روایت احادیث قید کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خود حضرت ابوبکرؓ نے جس قدر حدیثیں جمع کی تھیں وہ جلا دی تھیں ؞

اگرچہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کثرت سے حدیثوں کی روایت کرنے کا سلسلہ کب

سے شروع ہوا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد شروع ہوا ہوگا۔ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیث کی روایت شروع کردی تھی۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ صحابہ صرف خالصاً لوجہ اللہ احادیث کی روایت کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں حدیث کی روایت ایک سے دوسرے کو صرف زبانی تھی۔ مگر جو صحابہ زیادہ حدیثیں بیان کرتے تھے وہ معزز اور معتدس اور بہت بڑے حدیث جاننے والے خیال کئے جاتے تھے۔ اور تمام صحابہ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے صحابہ کے بعد جو راوی تھے اُن کا بھی اعزاز کچھ کم نہ تھا۔ اور جو شخص کوئی حدیث روایت کرتا تھا وہ زیادہ مکرم اور مقدس سمجھا جاتا تھا۔ اسی تقدس حاصل کرنے کو بہت سے لوگ جھوٹی حدیثوں کی روایت کرنے پر مائل ہوئے اور حدیث کی روائتیں کرنے لگے۔ اور عن فلان عن فلان یا اخبرنا فلان یا ابنانا فلان کہکر اخیر کو قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہدیتے تھے۔ چنانچہ علماے حدیث کو جو آخر کو ہوئے احادیث موضوع کے چھانٹنے میں نہایت مشکلات پیش آئیں اور اس کے پرکھنے اور جانچنے کے لئے متعدد قاعدے بنائے *

یہ گرما گرمی اور زبانی روایت کرنے والوں کا اعزاز و تقدس اس وقت تک باقی رہا جب کہ زبانی روایت کی کچھ ضرورت باقی نہ رہی۔ اور وہ زمانہ وہ تھا۔ جب علماء محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین نے بعد تحقیق و تفحص راویوں کے حال کی حدیث کی کتابیں لکھنی شروع کیں۔ جب حضرت امام مالکؒ نے اپنی موطا لکھے لی۔ تو جو حدیثیں اس میں لکھی گئی تھیں ان حدیثوں کی نسبت کسی راوی کی زبانی روایت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی *

اس طرح جب محمد اسمٰعیل بخاری نے اپنی کتاب لکھ لی تو ان حدیثوں کی نسبت بھی کسی راوی کے زبانی روایت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ رفتہ رفتہ صحاح ستہ بلکہ صحاح سبعہ مرتب ہوگئیں۔ تو زبانی روایت کرنے والوں کی کچھ قدر نہیں رہی یعنی ان کا ڈوماند نہیں رہا۔ اور زبانی روایت بالکل زوال پذیر ہوگئی *

اب تمام دارومدار علم حدیث کا ان کتابوں پر رہگیا جو صحاح کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر اس وقت بھی راویوں کے حالات بیان کرنے کی ضرورت تھی۔

اور ان کے حالات کا بیان کرنا صرف زبانی بیان پر منحصر تھا۔ یہاں تک کہ اسماء رجال کی کتابیں مرتب ہو گئیں۔ اور اس وقت راویوں کے حال کی جو روایت زبانی بیان کی جاتی تھی اس کا ڈھانڈ بھی نہ رہا۔ اور اُس کو بھی زوال ہو گیا*

اب علم حدیث کا اور محدث ہونے کا دارومدار صرف اِن کتابوں کے پڑھنے اور جاننے پر رہ گیا۔ جو علم حدیث میں لکھی گئی تھیں۔ ابتدا ابتدا میں تو اُسی شخص کی عزت کی جاتی تھی۔ جس نے وہ کتابیں ایسے شخص سے پڑھی ہوں۔ جس نے اپنی قرأت یا سماع کا سلسلہ ان کتابوں کے مصنف تک پہنچا دیا ہو۔ مگر بعد کو یہ قید نہیں رہی۔ بلکہ چند جز حدیث کی کتاب پڑھ لینے کے بعد استاد کُل کتاب کی سند دیدیتا ہے۔ مگر ہر زمانہ میں محدثین نہایت مقدس اور معزز گنے جاتے تھے۔ اور تمام مسلمان کیا امیر کیا فقیر کیا بادشاہ محدثین کا نہایت اعزاز واکرام کرتے تھے۔ اور جو اوصاف ان میں تھے۔ درحقیقت وہ اسی قابل تھے کہ لوگ ان کا اعزاز و اکرام کریں۔ اور ان کو مقدس جانیں۔ رفتہ رفتہ محدثین کے اوصاف میں بھی کمی ہوتی گئی۔ اسی کے ساتھ ان کے اعزاز اور تقدس میں کمی ہوئی۔ اور اسی کے ساتھ علم حدیث کا بھی تنزل شروع ہوا*

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ علماے علم حدیث اس تقدس و اعزاز و اکرام حاصل کرنے کے ارادہ سے حدیث کے سیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ غالباً ان کی نیت خالصاً للہ ہو گی۔ مگر اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ اس سبب سے ان کو فتوحات سلاطین کی طرف سے اور عام لوگوں کی طرف سے اس قدر پہنچتی تھیں جو اُن کی حاجت اور ضرورت سے بہت زیادہ تھیں۔ مگر رفتہ رفتہ اس میں بھی زوال آگیا۔ اور اسی کے ساتھ علم حدیث کو بھی زوال ہو گیا*

اس زمانہ میں حدیث کی کتابوں کی شرحیں ایسی مفصل لکھی ہوئی موجود ہیں۔ جن میں ہر ایک امر کی نسبت پوری بحث ہے۔ اور اسماء رجال کی متعدد کتابیں نہایت مبسوط موجود ہیں۔ اس لئے کسی شخص کو جو عربی جانتا ہے کسی استاد سے حدیث پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ جو کچھ وہ ان کتابوں میں دیکھ کر پاتا ہے۔ اُستاد کبھی اتنا یا اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا۔ اور یہی وجہ تھی

ہے کہ حدیث کی پوری کتابیں پڑھنے کی اب رسم نہیں رہی۔ بلکہ صرف تبرکاً کوئی حدیث کی کتاب کسی اُستاد سے شروع کی جاتی ہے اور چند جزو پڑھنے کے بعد اُستاد اس کتاب کی سند دیدیتا ہے۔ شاذ و نادر ہی طالب علم ہونگے۔ جو استاد سے حدیث کی پوری کتاب پڑھتے ہونگے ؀

حدیث کے بعد مقدس علم فقہ کا ہے۔ آئمہ مجتہدین کے زمانہ سے پہلے ہر ایک شخص حدیث پر جو اُس کو پہنچی تھی۔ یا تعامل پر عمل کرتا تھا۔ اس زمانہ کے بعد اِن حدیثوں پر جو کتابوں میں لکھی گئی تھیں۔ اور جو مطلب ان کا وہ سمجھتا تھا یا جس کو عالم اور معتدرس سمجھتا تھا۔ اس کی سمجھ پر عمل کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں مرتب ہوئیں۔ اور اہل سنت وجماعت میں چار امام مقبول ہوئے۔ اور جو امام جس شہر یا نواح شہر میں تھا وہاں کے لوگ یا جو اس کے شاگرد تھے اسی کی رائے پر چلتے تھے۔ رفتہ رفتہ تقلید کا زور ہوا۔ اہل علم نے قرآن و حدیث پر غور کرنا۔ اور اس سے مسائل کا استخراج کرنا چھوڑ دیا۔ اور جو کچھ آئمہ مجتہدین نے کہا اسی پر اکتفا کیا۔ اس سبب سے ان لوگوں میں سے مادہ اجتہاد کا زوال ہوگیا ؀

ابتدا ابتدا میں ایسے لوگ بھی تھے جو مرجحین فی الروایت کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ فلاں حکم کہاں سے استنباط کیا گیا ہے۔ اور کتاب وسنت سے اس کی کیا دلیل ہے۔ اور فلاں حکم کہاں سے لیا گیا ہے۔ اور کتاب وسنت سے اس کی کیا دلیل ہے۔ اور جس کو قوی سمجھتے تھے اس کو اختیار کرتے تھے۔ مگر جب فقہ کی کتابیں زیادہ مبسوط تصنیف ہوگئیں جن میں ہر ایک امر کی تفصیل تھی تو مرجحین فی الروایت کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ اور اس میں بھی زوال آگیا۔ اب صرف روایات جزئیہ پر جو کتب فقہ اور فتاووں میں مندرج ہیں۔ دارو مدار قضا اور افتا کا رہ گیا ہے۔ ان قاضیوں اور مفتیوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ حکم کہاں سے اور کیونکر اور کس وجہ سے استنباط ہوا ہے۔ بڑا فقیہ وہ ہے جو ہر ایک جزئی روایت کو کسی فتاوے سے نکال دے ؀

اس زمانہ میں ایک فرقہ ہے جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتا ہے اور اس کے مخالف اس کو وہابی کہتے ہیں۔ وہ فرقہ تقلید کا منکر اور عمل بالحدیث کا قائل ہے۔

مگر وہ بھی تقلید میں پھنسا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس نے احادیث مجتمعہ میں درایت کو چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ اس کو حرام سمجھتا ہے۔ اور حدیثوں کی نسبت اگلے لوگ جو لکھ گئے ہیں۔ اس کی تقلید کرتا ہے۔ اور جس قدر لوگوں کے مقلدین آئمہ مجتہدین تقلید کرتے ہیں۔ اس سے بہت زیادہ لوگوں اور راویوں کی یہ فرقہ تقلید کرتا ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ جس چیز کا ڈمانڈ تھا۔ اسی کی سپلائی تھی۔ جب ڈمانڈ نہ رہا تو سپلائی بھی نہ رہی ؏

اس کے بعد فلسفہ ہے۔ جس کے جاننے پر چند علماے اسلام بہت فخر و ناز کرتے تھے۔ مگر بعض علماء اسلام نے تو اس کا پڑھنا حرام بتلایا ہے۔ اور بعض نے منطق کو بھی جزو فلسفہ سمجھ کر اس کے پڑھنے کو بھی حرام ٹھیرایا ہے ؏

یہ فلسفہ جو اب تک ہمارے پاس ہے درحقیقت یونانیوں سے جو بُت پرست تھے۔ لیا گیا ہے۔ اس کا موضوع زیادہ تر انجامی چیزوں پر بحث کرنی ہے۔ اور بہت سا حصہ اس کا خیالی امور پر بحث کرنے سے متعلق ہے۔ اس لئے یہ بھی بطور ایک مشغلہ کے سمجھے جانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی امر محقق حاصل نہیں ہوتا ہیولے اور صورت اور جزو لایتجزی کی بحث میں عمر صرف ہو جاتی ہے ؏

اس فلسفہ کے مقابلہ کے لئے علماء اسلام نے علم کلام ایجاد کیا تھا تاکہ اسلام کو اس کے صدمہ سے بچاویں۔ اس لئے چند مسائل فلسفہ کے علم کلام میں داخل ہوگئے تھے۔ مگر بہت ہی کم۔ اور شاید کوئی بھی نہیں۔ علماے مذہب ایسے ہوئے ہیں جن کو اس فلسفہ میں کافی دستگاہ حاصل ہوئی ہو۔ اور اس لئے ضرور تھا کہ اس فلسفہ کو روز بروز تنزل ہوتا جاوے۔ کیونکہ اس کا ڈمانڈ نہیں تھا یا بہت ہی کم تھا ؏

علم ادب کا عروج یا تو سلاطین کی قدر کے سبب سے تھا یا اس سبب سے تھا کہ اسی زبان کے ذریعہ سے مذہبی کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ ایسے لوگ تو بہت کم گذرے ہیں جنہوں نے عربی زبان کو علوم عربیہ اور علوم مذہبیہ کو صرف خالصاً لِلّٰہ پڑھا ہو۔ بلکہ وہ علم جو ذریعہ حصول معاش کے بھی تھے۔ اور عہدہ قضا اور افتا اور تولیت اور محتسب اور دبیر و وزیر اور دیگر عہدہاے دفاتر سلطنت ہاے اسلامیہ ان کے پڑھنے سے حاصل ہوتے تھے۔ اور نیز اعزاز و تقدس اور قبولیت عام

انہی علوم کے پڑھنے سے ہوتی تھی۔ اور نیز فتوح سلاطین اور نذر نیاز عوام انہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی تھی۔ اس لئے کثرت سے لوگ ان علوم کے پڑھنے پر متوجہ تھے جب کہ ان کا ڈانڈ نہ رہا۔ تو ان کی بہتاییت بھی نہ رہی۔ تعجب ہے کہ اگلے زمانہ میں فقرا اور صوفی اور صاحبان سجادہ و خانقاہ بہت کثرت سے موجود تھے۔ مگر اس زمانہ میں وہ بھی نایاب ہیں۔ اور اگر کہیں کچھ اس کے مدعی پائے جاتے ہیں۔ وہ اگلے لوگوں کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اس کا سبب کچھ ہی ہو۔ مگر یہ کلیہ کہ جس قدر ڈمانڈ ہوتا ہے اسی قدر سپلائی بھی ہوتی ہے۔ ان پر بھی صادق آتا ہے ✤

اگلے زمانہ میں بہت بڑی مشکل یہ تھی کہ اگر کوئی عالم کسی مسئلہ میں کوئی بات جو مذاہب مروجہ کے خلاف تھی تحقیق کرتا تھا۔ تو اس کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر ظاہر ہو جاتی تھی تو قتل و قید سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اور اس لئے تحقیقات مسائل مذہبی بالکل بند ہو گئی تھی۔ امام غزالی نے اس میں کسی قدر جرأت کی اور چھوٹے چھوٹے رسالے۔ "المظنون علی غیر اہلہ"۔ اور "المظنون علی اہلہ" اور "التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" لکھے۔ ان کی قسمت اچھی تھی کہ ملکشاہ سلجوقی کے چنگل سے بچ گئے۔ ورنہ قتل ہونے میں کچھ باقی نہ تھا۔ ان کی کتاب "احیاء العلوم" جو نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں بھی کچھ شائبہ تحقیق جدید کا پایا جاتا ہے۔ اس کے بھی جلانے اور معدوم کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا تھا۔ ہمارے قریب زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہوئے جو محدث بھی کہلاتے تھے۔ مگر ان کے خیالات و اقوال بھی کسی قدر تحقیقات جدید پر مائل تھے ان کی قدر بھی نہ اس زمانہ میں ہوئی جب وہ زندہ تھے۔ اور نہ اس زمانہ میں لوگوں کے دلوں میں اُن کی قدر ہے۔ باوجودیکہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ اس اخیر زمانہ میں مثل ان کے کوئی دوسرا عالم نہیں ہوا ✤

اس زمانہ میں ہر ایک کو اپنے خیالات ظاہر کرنے کو کوئی امر مانع نہیں ہے۔ مگر اب نہ پہلے سے عالم ہیں۔ اور جو ہیں کیا مقلد اور کیا اہل حدیث سب تقلید کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان میں مادہ اجتہاد و تحقیق معدوم ہو گیا ہے۔ پس ہر ایک اپنی لکیر پر فقیر ہے۔ اور کولہو کے بیل کی مانند اسی حلقہ میں چکر کھاتا جاتا ہے

جس حلقہ میں اس کو آنکھ بند کرکے ڈالنا تھا ؟

اس زمانہ میں ایک مقدس گروہ علوم عربیہ کے زندہ کرنے اور رونق دینے پر آمادہ ہے۔ ہم بھی خدا سے چاہتے ہیں کہ وہ اس میں کامیاب ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ بموجب اس قاعدہ کلیہ کے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ بغیر ڈمانڈ کے سپلائی نہیں ہوسکتی ؟

اگلے زمانہ میں جو علوم عربیہ کو رونق تھی وہ سلاطین کے انعامات۔ جاگیرات امرا کے صلات۔ اور عوام کے نذرات۔ حصول معاش کے ذرائع اور تقدس حاصل ہونے کے سبب سے تھی۔ اور یہی امور ان کے لئے ڈمانڈ تھے۔ مگر اب یہ ڈمانڈ نہیں رہا۔ اس کی سپلائی کیونکر ہوسکتی ہے۔ باقی رہا خالصاً للہ۔ اور بہ نیت ثواب بلا خیال تقدس کسی علم کو یا علم دین کو حاصل کرنا۔ یہ تو شاید کسی کا مقصد ہو۔ کیونکہ نیک آدمیوں سے دنیا خالی نہیں ہے۔ مگر کروڑوں مسلمانوں کا جو دنیا میں بستے ہیں یہی ایک مقصد نہیں ہوسکتا۔ وصد ور من قال ؎

شب کہ عقد نماز بربندم چہ خورد بامداد فرزندم

ہاں یہ بات دوسری ہے کہ کوئی نماز پڑھ کر یا پڑھا کر پیٹ بھرے۔ کوئی وعظ کہکر پیٹ پالے۔ کوئی حدیث فقہ پڑھا کر معاش حاصل کرے۔ کوئی فقیر اور مشائخ اور سجادہ نشین ہو کر زندگی بسر کرے ؟

اس زمانہ میں مدارس علوم عربیہ اس کثرت سے ہیں کہ پہلے زمانہ میں نہ تھے۔ مگر چونکہ ان کا ڈمانڈ نہیں ہے۔ سب کے سب خستہ حالت میں ہیں۔ اور لوگوں کو برباد کرتے جاتے ہیں اور آخر کو خود بھی برباد ہوجاتے ہیں۔ ایک گروہ قلیل مسلمانوں کا ہے جو علوم زبان انگریزی کی تحصیل میں مشغول ہے۔ ان پر بے انتہا جھوٹی جھوٹی تہمتیں لگائی جاتی ہیں اور ان جھوٹی تہمتوں کا لگانا بڑی دینداری سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ ادھر اُدھر دونو طرف ملے جلے ہیں ان سے ان کے قدیم یار کہتے ہیں "امنوکما امن الناس" تو وہ جواب دیتے ہیں "انؤمن کما امن السفھاء" اور خدا کہتا ہے "الا انھم ھم السفھاء" اس پر ہمارے انگریزی خوان طالب علم کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ جس چیز کا پہلے زمانہ میں ڈمانڈ تھا۔

اس کو پہلے لوگ حاصل کرتے تھے۔ جس چیز کا اس زمانہ میں ڈھانڈ ہے اس کو ہم حاصل کرتے ہیں۔ پس ہم میں اور پہلوں میں کچھ فرق نہیں ہے ✤

ان انگریزی خواں لوگوں میں جو لوگ کچھ زیادہ جان گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ان علوم کو جو عربی میں ہیں کیوں پڑھیں۔ جب کہ تمام علوم جو اس میں تھے بہت زیادہ اور اعلٰے درجہ پر ترقی کر گئے ہیں۔ اور اس میں بہت سے علم ایسے ہیں۔ جو محض غلط اور خیال خام پر مبنی تھے۔ اور جن کی غلطیاں علانیہ ظاہر ہوگئی ہیں۔ اور بہت سے علوم جدید تحقیق ہوگئے ہیں۔ پس اگر ہم علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ترقی یافتہ علوم قدیم اور تحقیقات شدہ علوم جدید کو کیوں نہ حاصل کریں ✤

بعض علما ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ ارے کم بختو علوم دین کو تو پڑھو۔ تو وہ ان عالموں کو جواب دیتے ہیں کہ علوم دین سے اگر تمہارے نزدیک ہماری کنارہ کشی ہے۔ تو اس کا عذاب اور گناہ تمہارے سر پر ہے۔ کیونکہ کتب قدیمہ مذہبی میں تم سے بزرگوں نے ایسے امور شامل کر دیئے ہیں جن کا غلط ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ خدا اور رسول نے ان کو شامل نہیں کیا۔ بلکہ علما نے اپنی غلطی سے ان کو مذہب میں شامل کر دیا ہے۔ اور تم ان کی تنقیح نہیں کرتے۔ علاوہ اس کے علوم جدیدہ سے جو بعض مشکلات امور مذہبی میں پیش آتی ہیں ان کو تم حل نہیں کرتے۔ اور علوم جدیدہ کے مقابلے کے لئے کوئی جدید علم کلام نہیں بناتے۔ جیسا کہ تمہارے پیشواؤں نے یونانی فلسفہ کے لئے بنایا تھا۔ پس جو کچھ اس میں گناہ ہے۔ وہ تمہارے سر پر ہے۔ مگر برائے خدا ایسا علم کلام نہ بنانا کہ الٹی ہنسی ہو ✤

بہت سے بزرگ انگریزی خواں لوگوں کو بدعقیدہ یا ملحد و دہریہ کہتے ہیں شاید ایسا کوئی ہو جس سے میں واقف نہیں ہوں۔ مگر ایسے لوگوں سے واقف ہوں جو ایک حرف انگریزی کا نہیں جانتے وہ بھی بدعقیدہ ہیں۔ اور اگر میں مذہب اسلام کا ایک وسیع دائرہ میں ہونا تسلیم نہ کرتا تو ان کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا ✤

انگریزی خوانوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ نیچری خیال رکھتے ہیں۔ اور نماز روزہ کے پابند اور احکام مذہبی میں چست نہیں ہیں اور عقاید مذہبی سے ناواقف محض ہیں۔ یہ کہنا کسی قدر صحیح ہے۔ مگر انگریزی مدرسوں اور مشنریوں کے مدرسوں کی نسبت یہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ یورپ کے مدرسوں میں علاوہ پروفیسروں کے ایک شخص طالب علموں کے مذہب کی نگہبانی کے لئے مقرر رہوتا ہے جو ڈین کہلاتا ہے۔ ہم نے بھی اپنے کالج میں طالب علموں کی مذہبی حفاظت کے لئے ایک نہایت لائق عالم مقرر کیا ہے۔ جس کی نصیحت سے طالب علموں کو بہت فائدہ ہے۔ تمام طالب علم جماعت کے نماز پڑھتے ہیں۔ مختصر کتابیں عقائد مذہبی کی اُن کو پڑھائی جاتی ہیں۔ اسلام کی مختصر تاریخ ان کے درس میں شامل ہے۔ جنہوں نے عربی زبان بطور سیکنڈ لنگویج کے لی ہے اُن کو عربی میں اور جنہوں نے فارسی سیکنڈ لنگویج لی ہے۔ ان کو فارسی میں اور چھوٹے لڑکوں کو نماز کی کتابیں اردو میں پڑھائی جاتی ہیں۔ پس ہمارے کالج کی نسبت یہ کہنا کہ انگریزی خوان طالب علموں کو عقائد مذہبی سے لاعلمی ہوتی ہے محض غلط ہے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے کالج کے طالب علم جس قدر نماز روزہ کے پابند ہیں شاید بہت کم گھرانے ایسے نکلینگے جن کے لڑکے اس قدر نماز روزہ کے پابند ہوں ؛

احکام مذہبی میں چست نہ ہونے کی نسبت ہم پوچھتے ہیں کہ کونسا خاندان ہے جس کے لڑکے انگریزی نہیں پڑھتے اور وہ احکام مذہبی میں چست ہیں۔ یا زمانۂ سابق میں کوئی خاندان تھا جس کے لڑکے احکام مذہبی میں چست تھے۔ لڑکوں کو جانے دو ہم بڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں کہ سوائے اشخاص خاص کے کس قدر ہیں جو احکام مذہبی میں چست ہیں۔ جس طرح زمانہ کے مسلمانوں کا حال ہے ہماری دانست میں ہمارے کالج طالب علموں کا اس سے بہتر حال ہے۔ کہنے والوں کو اختیار ہے جو چاہیں سو کہیں ؛

بعض علماء مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ نئی روشنی والوں یعنی انگریزی خوانوں اور اُن کے حامیوں کو آگے بڑھنے جانے دو۔ اگر تم دینی تمدنی ترقی چاہتے ہو۔ تو پیچھے ہٹو۔ اور پچھلے لوگوں سے ملو۔ اور یہاں تک پیچھے ہٹو کہ ہٹتے ہٹتے صحابہ

اور نبی آخر الزمان سے جاملو۔ اے حضرت پیچھے ہٹنا تو آسان ہے۔ مگر صحابہ
اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک جاملنا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے
مجھ کو خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پیچھے ہٹتے ہٹتے گڑھے میں جا پڑو۔ "لانکم
عَلٰی شفا حُفْرَۃٍ" پھر ہم عاجزی سے کہتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
اور صحابہ کے زمانہ تک پہنچنا تو دشوار ہے۔ مگر برائے خدا پیچھے ہٹنے کی نصیحت
نہ فرمائیے۔ جس جگہ مسلمان تھے اسی جگہ ٹھیرے رہنے نے تو مسلمانوں کو اور
مسلمانی سلطنتوں کو برباد و قوم اسلام کو ذلیل اور خوار کردیا۔ دنیا میں جہاں مسلمان
ہیں سب ایک حالت میں ہیں۔ پھر اب ان کو پیچھے ہٹا کر کیا کیجئے گا۔ کیا ان کو
معدوم کردینے کا ارادہ ہے۔ خدا نہ کرے۔ بقول ایک بزرگ کے مسلمان
عالموں نے اپنے تعصب بے جا یا نادانی اور بے سمجھی اور جھوٹی دینداری
اور جھوٹی ترک دنیا کی نصیحت کرتے کرتے تو مسلمانوں کو لنگوٹی بندھوادی
اب کیا آپ کا ارادہ اس لنگوٹی کے بھی کھلوا لینے کا ہے ✽

اب ہم مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ اور بلا خوف لومۃ لائم بلند
آواز سے کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کی شان نہایت ارفع ہے۔ اور دنیوی
جاہ و مکنت۔ دولت و عزت کے حاصل کرنے سے اور اس میں ترقی کرنے
سے اس میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اسلام کی عزت۔ اسلام کی شان و شوکت خود
مسلمانوں کی عزت۔ اور مسلمانوں کی شان و شوکت سے ہے وہ علیحدہ بت
نہیں ہے۔ جسکی پرستش مسلمانوں سے علیحدہ ایک مندر میں یا کعبہ کی چاردیواری
میں کی جائے۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرو۔ اور دیکھو کہ جب کبھی مسلمانوں
نے علوم مذہبی کے ساتھ علوم دنیوی میں ترقی کی اور دنیا میں دولت اور عزت
شان و شوکت حاصل کی وہی زمانہ اسلام کی ترقی اور جاہ و جلال اور عزت و
شوکت کا سمجھا جاتا ہے۔ جو علما (اور وہ غالباً حنفی علما ہیں) نصیحت کرتے ہیں کہ
انگریزی پڑھنے اور علوم جدیدہ میں ترقی کرنے سے مسلمانوں کے ایمان میں
خلل آتا ہے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے اور نہیں بھولنا چاہیئے کہ "الایمان لا یزید
ولا ینقص" اور ان کو سوچنا چاہیئے۔ اور نہایت راستبازی سے کہنا چاہیئے

کہ اسلام میں اور دنیوی عزت حاصل کرنے میں کوئی تناقض نہیں ہے۔
اور اب بجائے اس کے کہ وہ پکارتے ہیں کہ زمانہ کے رُخ کے برخلاف
حرکت کرو۔ مسلمانوں کو یہ سچی نصیحت کرنی چاہئے کہ "درمع الدھر کیف
ما دار" وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم ۔

عجائبات کا ذہول اور عجائبات کا قبول

ہیں ! تم نے یہ کیسی متضاد باتیں کیں ؟ حضرت میں کیا کروں ؟ انسان کی جبلت ہی ایسی متضاد باتوں پر واقع ہوئی ہے۔ اس متضاد جبلت کے سبب بڑے بڑے بزرگوں یہاں تک کہ انبیا علیہم السلام کو بھی نہایت مشکلیں پیش آئی ہیں۔ مذہب سی عمدہ چیز کا بھی اسی جبلت نے ستیاناس کر دیا ہے ٭

حضرت اب تک تو ہماری سمجھ میں یہ مُعمّا نہیں آیا ؟ اگر آپ کچھ تفصیل سے بتاویں تو شاید سمجھ میں آوے ؟

میاں سمجھو ! دنیا میں قدرتی عجائبات اس قدر ہیں۔ کہ انسان نہ اُن کو سمجھ سکتا ہے نہ گن سکتا ہے۔ دن کا ہونا۔ رات کا آنا۔ چمکدار سورج کا نکلنا باریک چاند کا دکھائی دینا۔ اور پھر بڑھتا جانا۔ بدر ہونا۔ اور اپنی چاندنی سے اندھیری دُنیا کو روشن کرنا۔ پھر گھٹتا جانا۔ اور پہلی طرح باریک سا ہو کر چھُپ جانا۔ کیا عجائبات قدرت سے نہیں ہے۔ کالی گھٹا کا اُٹھنا۔ بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی بڑے دَل بادلوں کا جمع ہو جانا۔ ہوا کے جھونکے سے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرنا۔ بجلی کا چمکنا دل کو ہلانا۔ مینہ کے توقع سے دل خوش کرنا۔ پھر مینہ کا برسنا۔ اُولوں کا پڑنا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کیا عجائبات قدرت سے نہیں ہیں ؟

درختوں کا اُگنا۔ اُن کے ہرے ہرے پتّوں کا نکلنا۔ طرح بطرح۔ رنگ برنگ کے پھُولوں کا پھُولنا۔ درختوں کی شاخوں میں طرح بطرح کے میوؤں کا لٹکنا۔ اُن کے مزوں کا مختلف ہونا۔ کیا عجائبات قدرت سے نہیں ہے ٭

پرندوں کا ہوا میں اُڑنا۔ آسمان و زمین میں معلق رہنا۔ بئے کا عجیب

طرح پر گھونسلا بنانا۔ شہد کی مکھی کے کرتب۔ اس کا نہایت اعلےٰ اصول۔ اقلیدس پر چھتا بنانا۔ پہاڑوں پر اور اونچی اونچی جگہوں میں لگانا۔ ہر ایک قسم کے مفید پھولوں سے رس چوس کر لانا۔ اور مختلف رنگوں کا شہد بنانا۔ کیا عجائبات قدرت سے نہیں ہے ؟

گائے۔ بھینس۔ اور لال گائے۔ بکری سے جن کے پیٹ میں جنگل کا چارا سڑ کر بھرا ہوا ہوتا ہے۔ سفید اور شیریں مزے دار دودھ کا نکلنا۔ اُس سے اُن کے بچوں کی پرورش ہونا۔ اور انسان اور اُس کے بچوں کے لئے نہایت عمدہ اور مفید غذا کا ہونا۔ کیا عجائبات قدرت سے نہیں ہے ؟

خود۔ انسان کا بلکہ تمام حیوانات کا۔ اور انڈے سے مرغی کا۔ اور مرغی سے انڈے کا پیدا ہونا۔ پھر اُن کا دلکش آوازوں سے بولنا چہچہانا۔ انسان کا اپنے قواء عقلی۔ اور دماغی سے ایسے اعلےٰ درجہ تک پہنچنا۔ جہاں بقول شخصے جبرئیل کے بھی پر جلتے ہیں۔ کیا عجائبات قدرت سے نہیں ہے ؟

مگر جو کہ یہ باتیں روزمرّہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ اُن کا عجیب بلکہ عجیب تر ہونا۔ انسان کے خیال میں نہیں رہتا۔ اور اُس سے ذہول ہو جاتا ہے۔ مگر انسان جب کسی مذہب پر اعتقاد لاتا ہے۔ یا کسی شخص کو مُقدّس سمجھتا ہے تو عجائبات کو اُس کے ساتھ لگاتا ہے۔ اور جو عجائبات اُس کے ساتھ لگائی گئے ہیں۔ اُن سب کو قبول کرتا ہے۔ بلکہ بغیر اُن عجائبات کے مذہب کی حقیّت یا اُس شخص کے تقدّس کو تسلیم نہیں کرتا ⁂

حضرت نوح علیہ السلام کو کتنا ہی مُقدّس اور خُدا کا پیغمبر کہا جاوے۔ مگر جب تک طوفانِ نوح کو ایسا نہ مانا جاوے کہ ایک بُڑھیا کے تنوُر میں سے پانی اُبلنا۔ اور مینہ ایسے زور شور سے چالیس دن رات برستا رہا۔ جس کے سبب تمام دُنیا ڈوب گئی۔ بلند سے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بھی پانی اونچا ہو گیا۔ اور حضرت نوح ع نے خدا کے حکم سے کشتی بنائی۔ اور کشتی کے تختے فرشتے بہشت سے لائے۔ پھر اُن کی دعا سے طوفان موقوف ہُوا

اور تمام دُنیا کے انسان اور جانور سوائے اُن کے جو کشتی میں تھے۔ سب ڈوب کر مر گئے۔ اُس وقت تک حضرت نوح ع کی نبوّت اور اُن کا تقدّس قبول ہی نہیں ہو سکتا *

حضرت سلیمان علیہ السّلام کی نسبت اگر یہ یقین نہ کیا جاوے کہ وہ تمام جانوروں کی زبانیں سمجھتے تھے۔ اور رہوا اُن کے تخت کو اُڑائے پھرتی تھی اور جنّ اور پری اُن کی تابع تھے۔ اُس وقت اُن کا مقدس ہونا اور نبی ہونا تسلیم نہیں کیا جاتا *

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نسبت جب تک یہ یقین نہ کیا جاوے۔ کہ خدا اُن سے باتیں کرتا تھا۔ اور اُس نے اپنی اُنگلی سے پتھر کی تختیوں پر توریت لکھی تھی۔ اور وہ لکڑی کو سانپ بنا دیتے تھے۔ اور سمندر کو چیر کر چلے گئے تھے اُس وقت تک اُن کا نبی ہونا نہیں مانا جاتا *

حضرت یوشع کے حکم سے اگر آفتاب کا ٹھیر جانا۔ نہ مانا جاوے۔ تو گویا اُن کی نبوّت ہی کو نہیں مانا *

اگر یہ نہ مانا جاوے۔ کہ حضرت یونس علیہ السّلام کو مچھلی نگل گئی تھی۔ اور تین دن تک وہ اُس کے پیٹ میں رہے۔ اور پھر اُس نے اُن کو کنارے پر اُگل دیا۔ اور پھر وہ جیتے جاگتے نکل آئے۔ اُس وقت تک گویا اُن کے تقدس اور نبوّت کا یقین ہی نہیں ہوتا *

جب تک یہ نہ مانا جاوے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اور مُردوں کو جلاتے تھے۔ اور کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرتے تھے۔ پھر مع اپنے جسم کے آسمان پر چلے گئے۔ اور چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اُس وقت تک گویا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے نبی ہونے کا یقین ہی نہیں کیا جاتا *

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ فرماتے رہے۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ مگر لوگوں نے اس پر قناعت نہ کی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی بہت سے عجائبات منسوب کر دئے

اور انہیں عجائبات پر یقین رکھنا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنا قرار پایا ہے ٭

یہی خیال اولیاء اللہ تک بھی پہنچ گیا۔ جب تک کہ ان میں کرامتیں نہ مانی جائیں۔ اور ان پر یقین نہ کیا جاوے۔ کہ ولیوں نے مُردوں کو بھی زندہ کر دیا ہے۔ اور برسوں کی ڈوبی ہوئی برات کو دریا میں سے زندہ نکال دیا۔ اور چنیں اور چنیں کیا۔ اُس وقت تک اُن کے ولی ہونے پر بھی یقین نہیں ہوتا ٭

غرض کہ انسان کی یہ جبلت ہے کہ جس چیز کو بزرگ سمجھتا ہے۔ اور جن اشخاص کو مقدس جانتا ہے۔ اُن کی نسبت ایسے عجائبات منسوب کر دیتا ہے۔ یہی باعث ہے۔ کہ مذہب اسلام میں بھی لوگوں نے بہت سے عجائبات شامل کر دئیے ہیں۔ جو قابل یقین نہیں ہیں۔ مگر وہ لوگ اُن کو قبول کرتے ہیں ٭

رفتہ رفتہ لوگوں کے خیال میں یہ بات جم گئی ہے کہ عجائبات کے بغیر نہ مذہب چلتا ہے نہ لوگ ایسے مذہب کو جس میں کچھ عجائبات نہ ہوں۔ قبول کرتے ہیں ٭

مگر یہ سخت غلطی ہے۔ کوئی مذہب جو سچا ہے۔ اور سچا ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اُس میں کبھی ایسے عجائبات نہیں ہوتے۔ جو فطرت کے خلاف ہوں عقل انسانی کے خلاف ہوں۔ اور کوئی سمجھدار آدمی اُن کو تسلیم نہ کرے۔ بلکہ اصلی اور سچا مذہب ایسے عجائبات خلاف فطرت اور خلاف عقل سے بالکل پاک اور خالی ہوتا ہے۔ گو کہ بعد کو اس کے ماننے والوں نے عجائبات پرستی کی راہ سے اُس میں بہت سے عجائبات شامل کر دئیے ہیں ٭

مذہب اسلام کی نسبت ہم دل سے یقین کرتے ہیں کہ وہ ایسی عجیب کہانیوں اور ایسی حیرت انگیز خلاف فطرۃ اور خلاف عقل باتوں سے پاک ہے اور اُس میں جس قدر حصہ عجائبات کا ہے وہ ان عجائب پرستوں کا شامل کیا ہوا ہے جو قدرت کے عجائبات کو قبول کرتے ہیں اور خلاف قدرت اور خلاف عقل عجائبات کو قبول کرتے ہیں خدا ان عجائب پرستوں سے بچائے ٭

بحث ناسخ ومنسوخ

ہم کو ہمارے ایک دوست نے اطلاع دی ہے۔ کہ ہم نے اپنی تفسیر کی پہلی جلد میں جہاں ناسخ ومنسوخ کی بحث کی ہے۔ امام فخر الدین رازی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا سے قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اور دو آیتیں ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے۔ پہلی آیت تو "یمحوا اللہ مایشاء و یثبت عندہ ام الکتاب" ہے۔ دوسری آیت "اذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ" ہے۔ اور ہم نے لکھا تھا۔ کہ اِن دونوں آیتوں سے بھی قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور وعدہ کیا تھا۔ کہ ہم ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں اُس کو بیان کرینگے۔ مگر سورۂ رعد اور سورۂ نحل میں جہاں ان آیتوں پر بحث کرنے کا موقع تھا۔ ہم بحث کرنی بھول گئے اور اس لئے اب اُن پر بحث کرتے ہیں *

پہلی آیت سورہ رعد کی ہے۔ اس میں خدا فرماتا ہے۔ کہ

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلك وجعلنا لهم ازواجاً وذریة وما کان لرسول ان یاتی بایة الا باذن الله لکل اجل کتاب یمحوا الله مایشاء ویثبت وعنده ام الکتاب

بیشک ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے ہیں۔ اور اُن کو بیبیاں اور اولاد دی ہے۔ اور کوئی رسول نہیں کرسکتا۔ کہ بغیر حکم خدا کوئی حکم لے آئے اور ہر ایک چیز کا وقت لکھا ہوا یعنی مقرر ہے۔ خدا جو چاہے مٹائے اور جو چاہے قائم رکھے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے *

اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جو کچھ اس آیت میں بیان ہوا ہے وہ انبیاء سابق کی شریعت سے متعلق ہے۔ نہ قرآن مجید کی آیتوں سے

نتیجہ اس تمام آیت کا یہ ہے کہ انبیاء سابق کی شریعت میں سے جن احکام کو خدا چاہتا ہے۔ قائم رکھتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے۔ اور اُس آیت سے کسی طرح سے یہ بات نہیں نکلتی کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو جاتی ہے۔ پس یہ آیت قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونے پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ مگر یہ بحث باقی رہتی ہے۔ کہ ام الکتاب کیا چیز ہے۔ اور اگر ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد لی جاوے تو لوح محفوظ کیا چیز ہے۔ یہ ایک بہت بڑی بحث ہے۔ جس کو ہم اپنی تصنیفات میں متعدد جگہ لکھ چکے ہیں۔ مگر اس مقام میں اس کی بحث سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ صرف یہ بات ثابت کرنی تھی۔ کہ "یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت" سے مقصود محو ہونا یا ثابت رہنا احکام شریعت انبیاء سابق کا ہے۔ نہ محو ہونا یا ثابت رہنا قرآن مجید کی آیتوں کا۔ اس لئے ہم اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں ✦

دوسری آیت سورہ نحل کی ہے جس میں خدا فرماتا ہے۔ کہ جب ہم

واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزّل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون۔	ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم بدلتے ہیں اور خدا جو حکم نازل کرتا ہے اُس کو خوب جانتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو تو افترا ہی کرنے والا ہے۔ حالانکہ اُن میں کے

بہت سے نہیں جانتے۔ اس آیت کی نسبت سوال یہ ہے۔ کہ قالوا سے کون لوگ مراد ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قالوا کی ضمیر سے کفار مکہ مراد ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے۔ کہ کفار مکہ نہ اُس پہلی آیت کو جو بدلی گئی۔ مُنزل من اللہ جانتے تھے۔ اور نہ اس دوسری آیت کو جس نے پہلی آیت کو بدلا مُنزل من اللہ سمجھتے تھے ✦

بلکہ صرف یہود و نصاریٰ جو اُن احکام قرآن مجید کو جو برخلاف احکام سابق توریت و انجیل کے تھے پیغمبر کا افترا سمجھتے تھے۔ پس قالوا کی ضمیر انہیں یہود و نصاریٰ کی طرف پھرتی ہے نہ عام کفار کی طرف جو عموماً بت پرست

تھے۔اور وہ نہ احکام سابق کو مانتے تھے۔ نہ احکام لاحق کو۔ پس صاف ظاہر ہے۔
کہ بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ سے تبدیل شرائع انبیاء سابق مراد ہے۔
نہ تبدیل آیۃ قرآنی کی۔ دوسری آیت سے ✤

تفسیر کبیر میں بھی ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ اس آیت میں
شرائع سابق انبیاء کا تبدیل ہونا مراد ہے۔ نہ قرآن مجید کے احکام میں
ایک سے دوسرے کا منسوخ ہونا۔ اور امام صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ابو مسلم
اصفہانی برخلاف دیگر مفسرین کے مذہب اسلام میں ناسخ و منسوخ کا بالکل
قائل نہیں ہے ✤

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ کہ اگر اُن تمام آیتوں کو جن سے مفسرین اور
فقہا نے قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ ہونے کا دعوےٰ پیش کیا ہے مجموعی
طور پر سامنے رکھ لیا جاوے۔ اور اُن پر غور و تعمُّق کی نظر ڈالی جاوے۔
اور اُن کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھا جائے۔ تو ان سے صاف طور
پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ آیتیں شرائع سابقہ انبیاء کے بعض احکام کے
تبدیل ہونے سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ قرآن مجید کی آیتوں کے باہم ناسخ
و منسوخ ہونے سے۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ جن بزرگوں کے پاس ہماری
تفسیر کی پہلی جلد موجود ہے وہ اس بیان کو اُس صفحہ کے حاشیہ پر درج
فرمالینگے۔ جہاں ہم نے ناسخ و منسوخ پر بحث کی ہے ✤

ہمارے بعد ہمارا نام رہیگا

یہ ایک نہایت لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ جس کا کچھ نتیجہ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت لوگ اس لغو خیال میں مُبتلا ہیں۔ کوئی اولاد چاہتا ہے۔ کہ اُس کے بعد اُس کا نام چلے۔ کوئی محل بناتا ہے۔ کہ اُس کے بعد اُس کا نام قائم رہے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اس سے فائدہ کیا ہے اگر اُس کے بعد لوگوں نے کہا کہ یہ قلعہ اکبر کا بنایا ہوا ہے اور وہ قلعہ شاہجہان کا۔ تو اس سے مرنے والے کو کیا فائدہ۔ مرنے والا تو مر گیا۔ "اُپنی کرنی اپنی بھرنی" اپنے ساتھ لے گیا۔ اب لوگ کچھ ہی کہا کریں جو ہونی بات تھی وہ ہو گئی۔ سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

زندہ ہست نام فرخ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

اس شعر کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ نوشیرواں کے بعد لوگ کہا کرتے تھے کہ نوشیرواں بہت عادل تھا۔ مگر یہ نہ کھلا۔ کہ اس سے نوشیرواں کو کیا فائدہ ہوا۔ پس لوگوں کو جو یہ تمنا ہوتی ہے کہ ہمارے بعد ہمارا نام قائم رہے یہ کیوں ہوتی ہے۔ اور اس سے اُن کو کیا فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ محض خیال خام ہے۔ اور انسان کے دل کے بودے پن کی دلیل ہے انسان کو ہمیشہ یہ خیال رہنا چاہئیے کہ میں کوئی ایسا کام کر جاؤں جس سے انسانوں کو قوم کو فائدہ پہنچتا رہے۔ مثلاً کسی علم کا ایجاد کرنا۔ کسی ہنر کا پیدا کرنا۔ یا کوئی ایسی بات ایجاد کرنا۔ جو لوگوں کو فائدہ مند ہو۔ یہ خیال بہت صحیح ہے۔ کیونکہ اپنی ذات کے واسطے نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ ذات بھی فنا ہو جائے۔ بلکہ زندہ لوگوں کے لئے ہے۔ اور ایسول

کے لئے ہے۔ جن کا سلسلہ برابر قیامت تک جاری رہیگا۔ پس ہمارے خیال میں اس سے زیادہ انسان کے لئے کوئی بے وقوفی نہیں ہے۔ جو یہ خیال کرے کہ میں ایسا کام کر جاؤں۔ جس سے میرے بعد میرا نام جاری رہے ؎

گذشتم از سرِ مطلب تمام شد مطلب
حجابِ چہرۂ مقصود بود مطلبہا ✣
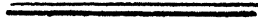
عیسائیوں اور مسلمانوں میں باہمی مودت اور اتحاد

مسلمانوں اور عیسائیوں میں گو اختلاف مذہب ہے مگر اگلے زمانہ میں باہمی عداوت کا ہونا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں تو خود یہ آیت موجود ہے۔ "وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ" یعنی اے پیغمبر تو مسلمانوں کے ساتھ محبت کرنے میں ان کو سب سے زیادہ قریب پاویگا۔ جو کہتے ہیں کہ ہم نصارے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے (مائدہ۔ ۸۵) ٭

سر ولیم میور اپنی کتاب میں جو خلفاء راشدین کے حال میں لکھی ہے لکھتے ہیں کہ خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیحی قبائل سے عہدنامے کئے تھے جن میں آپ نے عیسائیوں کی حفاظت کا اور ان کو ان کے مذہب میں آزاد رہنے کا اور پادریوں کے پُرانے حقوق اور اختیارات کے بحال رہنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ علاوہ اس کے عیسائی بھی مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح سے معاشرت اور معاونت میں شریک رہتے تھے ٭

سنہ ۱۳ ہجری میں جب جسر کے مقام پر لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کا سپہ سالار مثنٰے بن حارثہ تھا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو کچھ دقت پیش آئی تو اس وقت قبیلہ بنی طے کا ایک عیسائی سردار مسلمان سپہ سالار کے پاس آیا اور دریا کے پل کی حفاظت کی تاکہ عرب بسہولت اس پل سے اُتر جائیں۔ اور جب کہ دوبارہ فوج کشی ہوئی تو بنی نمر کے قبیلہ کا ایک عیسائی سردار جو رومیوں کی حد میں

رہتا تھا۔ کمک کے طور پر لشکر اسلام میں آکر شامل ہوا۔ اور اسی سنہ میں جب یوہب کی لڑائی ہوئی۔ تو اسی قبیلہ بنی نمر کا عیسائی سردار دشمنوں پر دھاوا کرنے میں مسلمانوں کا شریک ہوا۔ اور مسلمانوں کے سردار اور اُس عیسائی سردار نے شامل ہو کر دھاوا کیا اور اسلام کی فتح ہوئی۔ تیبور صاحب اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ اس معرکہ میں جو شجاعت کے کام ہوئے۔ ان سب میں بڑھ کر ایک مسیحی نوجوان کا کام تھا۔ جو اپنی بدوؤں کی ایک قلیل جماعت لے کر اسلام کے لشکر میں اُس وقت داخل ہوا۔ جب کہ خوب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر مخالفوں سے لڑا اور اپنے گھوڑے کو دوڑا کر دشمنوں میں گھس گیا۔ اور مخالف لشکر کے سردار کو قتل کیا۔ اور پھر اپنے گھوڑے کو دوڑا کر مسلمانوں کے لشکر میں پکارتا ہوا داخل ہوا۔ کہ میں بنی تغلب میں سے ہوں۔ اور میں وہ ہوں جس نے دشمن کے سردار کو قتل کیا ✤

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنو تغلب کی نسبت جو عیسائی تھے حکم دیا کہ ان پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے۔ اور وہ اپنے مذہب کی پیروی میں بالکل آزاد رہیں جزیہ جو عیسائیوں سے لیا جاتا تھا بنی تغلب اس کا ادا کرنا اپنے شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اِس لئے انہوں نے درخواست کی کہ ان سے بھی اس طرح پر محصول لیا جاوے۔ جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست منظور کی ✤

سر ہنری لیرڈ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ گر کے قریب جو بحیرہ لوط کے مشرق میں ہے۔ ان کا گذر ایک خیمہ گاہ میں ہوا جو عیسائی عربوں کا تھا اور یہ عیسائی عرب لباس اور آداب معاشرت میں مسلمان عربوں سے کسی بات کا فرق نہ رکھتے تھے۔ مسٹر برخارت جو ایک نہایت نامی عیسائی سیاح ہیں لکھتے ہیں کہ بلماٹرا کے قریب بارہ سو آدمی رہتے ہیں۔ جن میں سے نصف عیسائی ہیں جو اپنے مسلمان ہمسائیوں کے ساتھ نہایت درجہ کے ملاپ سے رہتے ہیں اور مسلمان بدوؤں کا لباس پہنتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں کوئی ظاہرا تمیز نہیں ہو سکتی۔ بنو غسان جو عیسائی ہیں وہ اب تک اپنی عبادات میں عربی زبان کا استعمال کرتے ہیں ✤

ہرقل کی جب شکست ہوئی اور اس کی فوج شہر حمص کے قریب آئی تو شہر والوں نے جو عیسائی تھے فصیل کے دروازے بند کر لئے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور تمہارے انصاف کو یونانیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلہ میں بہتر جانتے ہیں ❖

یہ تو اگلے زمانہ کا حال ہے۔ مگر ہم اس زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ جو عیسائی سلطانی سلطنتوں میں رہتے ہیں ان کے اور ان کے ہمسایہ مسلمانوں میں کسی قسم کی مذہبی عداوت نہیں ہے۔ آپس میں سوشیل برتاؤ نہایت خوبی سے ہے ❖

عیسائیوں اور مسلمانوں میں مذہبی عداوت ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ مذہب کی رو سے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ ہر قسم کی معاشرت کی کھانے پینے میں ہو یا شادی بیاہ میں سوائے چند جزئی اور خفیف باتوں کے عام طور پر اجازت ہے مسلمانوں کی تاریخ میں سوائے چند متعصب اور ناعاقبت اندیش بادشاہوں مثل متوکل باللہ وغیرہ کے ایسے بادشاہوں کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ جنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا۔ ان کے مذہبی رسوم اور مذہبی حقوق میں دست اندازی نہیں کی۔ اور ٹھیک اسی طرح برتاؤ کیا جس طرح رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوا تھا ❖

مذہب اسلام نہایت وسیع مذہب ہے۔ جس میں تحمل اور ادب کا حکم ہے تمام پیغمبر خواہ ان کو یہودی مانتے ہوں یا عیسائی ان سب کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ان کی تعظیم کرتا ہے ۔ اور ان مذہب کے لوگوں کے ساتھ ٹالریشن[1] کا حکم دیتا ہے بلکہ جب وہ بلند آواز سے پکارتا ہے کہ کوئی ملک اور قوم ایسی نہیں ہے۔ جس میں خدا کے کسی پیغمبر نے اُس کی حجت کو پورا نہ کیا ہو۔ تو کون شخص شبہ کر سکتا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ کسی موقع پر بھی مسلمانوں کو سختی کرنے کا صراحتہً یا اشارةً حکم دیا گیا ہے۔ اور کون شخص ہے جو بعض ظالم مسلمان حکمرانوں کے بیجا متعصبانہ سختیوں کے لئے مسلمانوں کی مذہبی کتابوں سے جواز کا فتوے نکال سکتا ہے۔ بلکہ میں پھر کہتا ہوں کہ مذہب اسلام خاصکر عیسائیوں کے ساتھ اور عیسائیوں کے پیغمبر اور بزرگوں کے ساتھ تحمل اور ادب و تعظیم کی تعلیم دیتا ہے ❖

[1] تحمل تجردباری ۱۲

سوائے مذہب اسلام کے دنیا میں اور کونسا مذہب ہے جس نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا اور ان کی ہدایات کا ایسا ادب کیا ہو۔ اور ایسی عزت کی ہو۔ جیسی کہ مسلمان کرتے تھے۔ اور کرتے ہیں۔ اور ان کو نبی برحق اور رسول خدا کا مانتا ہو۔ اور یہ سمجھتا ہو کہ ہم میں اور عیسائی مذہب میں جو کلمۃ الحق ہے وہ ایک ہی ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں کہ خود خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے "یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ" یعنی اے عیسائیو ایک بات پر آجاؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنے کے۔ پس دنیا میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو حضرت عیسےٰ کو رسول برحق اور مرسل من اللہ مانتا ہو۔ مسلمانوں نے مذہب کی بنا پر جو کچھ عیسائیوں سے چاہا ہے۔ وہ صرف یہی بات ہے کہ ہم اور تم دونو ملکر ایک خدا کی عبادت کریں ✤

خود عیسائی مذہب میں مختلف فرقے ہیں جو مسئلہ تثلیث اور اقانیم ثلاثہ کی نسبت اس امر میں مختلف الرائے والاعتقاد ہیں کہ ان اقنوموں کا ظہور کس طرح سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ذات مبارک میں ہوا تھا۔ مسلمان بھی یقین کرتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کلمۃ اللہ ہیں خود قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے "انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ" یعنی حضرت عیسےٰ خدا کا کلمہ ہے جو مریم میں ڈالا گیا۔ اور اس کی روح ہے۔ بایں ہمہ مسلمان مثل یونیٹیرین[۱] کے جو ایک فرقہ عیسائیوں کا ہے۔ لا الہ الا اللہ پر یقین کرتے ہیں اور حضرت عیسےٰ کو بندہ اور خدا کا رسول جانتے ہیں۔ پس جو اختلاف کہ مسلمانوں کے مذہب کی رہ سے ہے۔ وہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ خود عیسائی فرقے اس میں مختلف ہیں ✤

نہایت نالائق ہیں۔ وہ عیسائی جو مذہب اسلام اور بانی اسلام کی نسبت نعوذ باللہ کلمات توہین استعمال کرتے ہیں۔ اور نہایت نالائق ہیں وہ مسلمان جو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت یا ان کے اصلی مذہب کی نسبت ایسے ہی کلمات استعمال میں لاتے ہیں ✤

[۱] عیسائیوں کا ایک موحد فرقہ ہے ۱۲

مذہب کے رُو سے اور اس برتاؤ سے جو اس وقت بھی مسلمان عیسائیوں سے کرتے ہیں۔ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں کوئی مذہبی عداوت نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ عیسائی مسلمانوں کے ساتھ یا مسلمان از روے مذہب کے عیسائیوں کے ساتھ مذہبی عداوت رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک محض غلط اور ستر پانا واجب ہے۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں لڑائیاں ہوئیں۔ اور مخالفتیں بھی پیدا ہوئیں۔ اور عداوتیں بھی ہوئیں۔ مگر ان کی بناء پولیٹکل امور پر مبنی تھی۔ پولیٹکل امور پر لڑائی جھگڑوں۔ فسادوں اور عداوتوں کا ہونا کچھ غیر مذہب یا غیر قوم پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ پولیٹکل امور ایسے ہوتے ہیں کہ آپس میں ایک قوم اور ایک مذہب کے لوگوں میں لڑائیاں اور عداوتیں ظہور میں آتی ہیں۔ سینکڑوں لڑائیاں آپس میں مسلمانوں کی انہیں پولیٹکل امور کے سبب سے ہوئی ہیں۔ اسی طرح باہم عیسائیوں کے اور آپس میں ایک ہی قوم کے انہیں پولیٹکل امور کے سبب سے بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر جب یہ لڑائیاں ایسے لوگوں میں واقع ہوتی ہیں۔ جن کا مذہب بھی مختلف ہوتا ہے تو ان میں مذہبی جوش کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں نے جنگ صلیبی میں جو ایک پولیٹکل یا قومی لڑائی تھی۔ مذہب عیسوی کے جوش کو بھی شامل کر لیا تھا۔ جو صلیبی جہاد کے نام سے مشہور ہے اسی طرح مسلمانوں نے بھی جب دوسرے مذہب والوں سے لڑائی کی تو مذہبی جوش کو اس میں شامل کر لیا ؛

۱۸۵۶ء میں ترکوں اور روسیوں سے لڑائی ہوئی۔ تو انگریز اور فرانس سلطان ترکی کے طرف دار ہوئے اور برابر نہایت بہادری اور عمدگی سے سلطان ترکی کے طرف دار ہو کر روسیوں سے لڑے۔ پس یہ تمام کارروائی بجز پولیٹکل امور کے کسی دوسرے امر پر مبنی تصور نہیں ہو سکتی ؛

۱۸۷۶ء میں جب دوبارہ ترکوں اور روسیوں سے لڑائی ہوئی۔ اس وقت فرانس کو وہ شان و شوکت جو زمانہ بادشاہت میں تھی نہیں رہی تھی۔ اور ریپبلک کو قائم ہوئے بہت تھوڑا زمانہ گذرا تھا۔ اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ روسیوں کے مقابلہ میں ترکوں کی مدد کرے۔ انگریزوں نے بھی کسی مصلحت ملکی سے تنہا

بلا شمول کسی دوسری سلطنت کے ترکوں کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ شامل ہوکر روسیوں
سے لڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اور صرف ترک روسیوں سے لڑتے رہے۔ آخر کو
انگریز اور اور سلطنتیں بیچ بچاؤ کرنے کو پڑیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے
ملک سلطان کے قبضہ سے نکل گئے۔ مگر یہ تمام کارروائی پولیٹکل امور پر مبنی تھی
نہ مذہبی عداوت پر ؛

حال کے زمانہ میں جو آرمینیا والوں نے بغاوت اور شرارت کی اور یونانیوں
نے سر اُٹھایا جس کی سزا وہ پا رہے ہیں اور خدا نے چاہا تو اپنے کئے کی اور سزا پاوینگے۔
اس فساد کو مذہبی عداوت پر مبنی کرنا محض غلطی اور سراپا دھوکا ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ بھی
پولیٹکل امور پر مبنی ہے۔ جس کے سبب سے آرمینیا والوں نے بغاوت کی۔ اور یونانی
جنگ پر آمادہ ہوئے۔ ہاں ان فسادات کے ساتھ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا آرمینیا
والوں اور ان کے مغویوں نے اور یونانی اور اُن کے طرفداروں نے مذہبی
جوشش کو بھی شامل کر لیا۔ جو محض ایک جھوٹا بہانہ ہے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سلطان
کی عملداری میں انتظام نہایت خراب ہے۔ اور آرمینیا والوں نے اس خراب
انتظام کے سبب سے بغاوت کی ہے۔ تب بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی۔ کہ یہ
فساد مذہبی عداوت کے سبب سے نہیں ہوا۔ بلکہ بدانتظامی کے سبب سے ہوا۔
اور یہ کہنا کہ سلطان کی عملداری میں عیسائیوں پر ظلم ہوتا ہے ایسا جھوٹ ہے جس سے
بڑھ کوئی نہیں ہو سکتا۔ عیسائی سلطان ٹرکی کی عملداری میں نہایت مذہبی آزادی
سے رہتے ہیں اور جتنی رعائتیں ان کے ساتھ کی جاتی ہیں اتنی رعائتیں مسلمان
رعایا کے ساتھ نہیں کی جاتی ہیں۔ مذہبی آزادی جو ترکوں کی عملداری میں عیسائیوں
کو حاصل ہے کسی عملداری میں عیسائیوں کو حاصل نہیں۔ سلطان ان کے مذہبی مراسم
میں مطلق دست اندازی نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی خواہش پر ان کے لئے بشپ
یعنی سردار مذہب مقرر کرتا ہے اور جو اعزاز کے درجے سلطنت ترکی میں ہیں وہ
سب ان کو عطا فرماتا ہے۔ خود عیسائی سلطنتوں میں ان عیسائیوں کو جو اس چرچ
کے نہیں ہیں۔ جس چرچ کی سلطنتیں ہیں ایسی مذہبی آزادی نہیں ہے جیسی کہ
سلطان کی عملداری میں تمام عیسائیوں کو خواہ کسی چرچ کے ہوں حاصل ہے اس

وقت جو لڑائی یونان اور ٹرکی میں ہو رہی ہے۔ تمام عیسائی سلطنتیں خاموش ہیں اور کسی سلطنت نے یونان کی مدد نہیں کی ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ آخر کو عیسائی سلطنتوں کو جو ٹرکی کے ارد گرد ہیں بیچ بچاؤ کرنے اور صلح کے ہو جانے میں بالاتفاق دست اندازی کرنی پڑے اور معلوم نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہو۔ ٹرکی کے مفید یا یونانیوں کے مفید۔ مگر اس سب کی بنا پولیٹیکل امور پر مبنی ہو گی نہ مذہبی امور پر۔ پس نہایت افسوس ہے کہ مسلمان یا عیسائی ان ملکی فسادوں کو مذہبی لباس پہنا کر لوگوں کو مشتعل اور برانگیختہ کریں جس سے سراسر ان لوگوں کا نقصان ہے جو ایسی باتوں سے مشتعل ہوں اور ملکی امور کو مذہبی لباس پہنا کر مذہب مذہب پکاریں۔ اور ایسا کرنے سے بجز اسکے کہ ان کی حماقت ثابت ہو اور ہونا کیا ہے؟ بجز اس کے کہ ان کی حماقت سے انہیں کے اہل مذہب کا کچھ نہ کچھ نقصان ہو اور کچھ نتیجہ نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ٹرکی ایک مسلمانی سلطنت ہے اگر اس کو واجبی خواہ ناواجبی کچھ نقصان پہنچے تو یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ہم مسلمانوں کو نہایت دلی رنج ہو گا۔ اور یہ بات ٹرکی ہی پر موقوف نہیں ہے اگر ایران کی سلطنت کو یا مراکو کی سلطنت کو یا افغانوں کی سلطنت کو انہیں کی نادانی اور حماقت اور بدنظمی سے کچھ پہنچے تو بھی ہم مسلمانوں کو قدرتی رنج ہو گا۔ اور یہی حال تمام قوموں کا ہے کہ اپنی اپنی قومی سلطنت کے زوال یا نقصان سے رنج ہوتا ہے۔ پس اس سے زیادہ ان واقعات کو وقعت دینا اور مذہبی لباس پہنانا محض بیجا اور ناواجب ہے۔ مسلمانوں میں ایک مدت دراز سے بلحاظ نسل اور ملک کے ایک قوم ہونے کا اطلاق بہت کم ہو گیا ہے۔ بلکہ صرف مسلمان ہونا قومیت کی علامت ہو گیا ہے۔ اور "کل مومن اخ" کا خیال تمام ملک کے مسلمانوں کو ایک قوم بناتا ہے۔ اس لئے وہ ہر ملک کے مسلمان کو اپنی قوم سمجھتے ہیں۔ اور اس کی خوشی سے خوش اور اسکے رنج سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور اس لئے ہم کو اگر خدانخواستہ ترکوں کو نقصان پہنچے۔ تو مثل قومی نقصان کے رنج ہو گا۔ گو وہ نقصان کسی پولیٹیکل سبب سے ہی ہو*

کیا اس سے آپ کی مراد سادات سے ہے ؟ نہیں حضرت ان سے مراد ہے جو کلمہ" لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے ہیں۔ جو ہمارے دادا کی امت اجابت میں داخل ہیں مگر "ہماری قوم" کہکر آپ چُپ کے ہو رہے۔ نہ اس کا کچھ سر معلوم ہوا۔ نہ پاؤں۔ ہماری قوم سے آپ کا مطلب کیا ہے ؟ حضرت بات یہ ہے کہ کل ہمارے ایک دوست مولانا روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی دیکھ رہے تھے اس میں ایک عرب بدو کے کُتّے کی حکایت تھی۔ اس کو سن کر میرا خیال اپنی قوم پر گیا۔ دل نے کہا کہ ہماری قوم کا بھی یہی حال ہے۔ پھر دل نے کہا کہ نہیں۔ پھر کہا کہ ہاں۔ پھر کہا نہیں۔ پھر کہا ہاں۔ اس کا فیصلہ میں نہ کر سکا۔ اور اس کا خیال اب تک میرے دل میں ہے۔ اور بے ساختہ میری زبان سے نکل جاتا ہے کہ "ہماری قوم" پس جب تمہارے دل کی بھی وہی حالت ہو جو میرے دل کی ہے۔ اور تمہارے دماغ میں بھی وہ سب خیالات جمع ہو جاویں اور سما جاویں جو میرے دماغ میں ہیں۔ تو آپ کو بھی "ہماری قوم" کہ اُٹھنے کا مطلب معلوم ہو ؀

ہماری قوم سے مطلب یہ ہے کہ ہماری قوم نے اپنے لئے کیا کیا۔ اور کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اور کیوں نہیں کرتی ؀

یہ تو میں نے مانا کہ آپ کے دل میں جو قومی خیالات ہیں وہ مثل مجذوب کے آپ کے منہ سے "ہماری قوم" کا لفظ نکلوا دیتے ہیں۔ مگر بدو عرب کے کتے کی کی حکایت سن کر بھی کبھی آپ نے کہا ہاں۔ کبھی آپ نے کہا نا۔ اور اسی تذبذب میں رہے کہ ہاں ٹھیک ہے یا نا۔ اس کا کیا سبب ہے ؟

حضرت بات یہ ہے کہ میں نے اس زمانہ میں اپنی قوم کو نہایت خراب حالت میں دیکھا۔ جن پر بیشک یہ مثل صادق آتی ہے کہ :-

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ۔۔۔ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
گئے دونو جہان کے کام سے ہم ۔۔۔ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

قوم کی اس خراب حالت سے میرا دل دکھا۔ اور میں نے یقین کیا کہ تعلیم اور صرف تعلیم ہی ان کی خراب حالت کے درست کرنے کا علاج ہے +

میں نے ان کے لئے ایک مدرستہ العلوم بنایا۔ مگر اس کا بننا اور چلنا صرف قوم کی امداد پر منحصر تھا۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ قوم نے اس میں بہت کچھ مدد کی ہے اور قوم ہی کی امداد سے ایسا عالیشان مدرسہ بہت کچھ بن گیا۔ مسجد مدرسہ کی بہت عمدہ و نفیس طیار ہو رہی ہے۔ اور جو کچھ اب تک ہوا ہے۔ وہ قوم ہی کی مدد سے ہوا ہے۔ تو میرے دل سے نا کا لفظ نکلتا ہے۔ مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ پورے جوش اور پوری ہمدردی سے جیسی اس کام میں قومی مدد ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہوئی۔ تو میرے دل سے ہاں کا لفظ نکلتا ہے۔ پھر جب میں سوچتا ہوں کہ پنجاب کے مسلمانوں نے تو دلی ہمدردی کی ہے۔ اور نہایت دلی جوش سے امداد کی ہے اور زندہ دل ان کا خطاب ہو گیا ہے۔ تو یہ خیال بے اختیار میرے دل سے نا نکلواتا ہے +

پھر جب میں شمال مغربی اضلاع اودھ اور بنگال کا خیال کرتا ہوں۔ جنہوں نے کچھ بھی نہیں یا بہت ہی قلیل اس قومی کام میں مدد کی ہے۔ تو از خود ہاں کا لفظ بصد آہ و نالہ میری زبان پر آتا ہے +

علیگڈھ کے چند رئیسوں نے دل سے خواہ بمقتضاے ریاست امداد کی ہے جن کا میں دل سے شکر گذار ہوں۔ اور اس لئے دل میں آتا ہے کہ بجاے ہاں کے نا کہوں +

آج صبح کا وقت تھا۔ میں اسی خیال میں بیٹھا ہوا تھا کہ نا کہنا ٹھیک ہے یا ہاں کہ اتنے میں بگی کی گھڑ گھڑ کی آواز آئی۔ نوکر نے کہا کہ حاجی محمد سعید خانصاحب رئیس بھیکم پور رہیس وہ آئے اور پانسو روپیہ نقد امداد کالج کے لئے عنایت فرمائے۔ پھر تو میں نا نا دو دفعہ اور ہاں ایک دفعہ کہنے لگا +

غرضیکہ مختلف حالات پیش آتے ہیں۔ کبھی نا کہنے کو دل چاہتا ہے۔

اور کبھی ہاں کہنے کو۔ مگر میں تو ہاں ہی کہنے کا تصفیہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں اس قومی کام کے پورا ہونے کا اور قائم رہنے کا کسی میں ولولہ نہیں پاتا ✤

خیر یہ تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ نا کا تصفیہ کریں یا ہاں کا۔ مگر جب تک بدو عرب کے کُتے کی کہانی نہ معلوم ہو اُس وقت تک نہ آپ کی نا کا مطلب سمجھ میں آتا ہے نہ آپ کی ہاں کا ✤

حضرت وہ کہانی یہ ہے کہ ایک بدو عرب کا تھا۔ اور ایک کُتا اس کے پاس تھا وہ سفر کر رہا تھا۔ اور کتا اُس کے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر رستہ کے کنارہ پر کتا گر پڑا اور بے حال ہو گیا۔ دم توڑنے لگا۔ اور قریب المرگ ہو گیا۔ بدو اس کے پاس بیٹھا ہوا سر پیٹ رہا تھا۔ اور زار و قطار رو رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ میرے رفیق اب تو مجھ سے جدا ہونے کو ہے ✤

اتنے میں ایک مسافر اس راستہ سے گذرا اور بدو کا یہ حال دیکھ کھڑا ہو گیا اور بدو سے کہا کہ تم اس قدر روتے دھوتے کیوں ہو۔ حال کیا ہے؟ اس نے کُتے کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ کُتا میرا بڑا رفیق ہے۔ ساری رات میری چوکسی کرتا تھا۔ اور چوروں کو اور دشمنوں کو میرے پاس آنے نہیں دیتا تھا۔ دن کو شکار مار لاتا تھا۔ اور میرے آگے رکھ دیتا تھا۔ اور نہایت قانع تھا۔ اور جو لقمہ کہیں سے اس کو مل جاتا تھا وُہی کھا لیتا تھا۔ اور صبر کرتا تھا۔ اور جو کچھ میں حکم کرتا تھا بجا لاتا تھا۔ اب اس کا یہ حال ہے کہ دم توڑ رہا ہے اور کوئی دم میں مرنے کو ہے ✤

مسافر نے کہا کہ کیا اس کو شکار کرنے میں کوئی ایسا زخم کسی درندہ جانور کا لگا ہے۔ جس کے سبب سے اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔ بدو نے کہا نہیں نہیں! کوئی زخم نہیں لگا۔ مگر چند روز سے اس کو کھانا نہیں ملا اور بھوک کے مارے مر رہا ہے اور اب اس کے مرنے میں کچھ باقی نہیں ✤

اتنے میں اس مسافر کی نگاہ عرب کے اسباب پر پڑی۔ اس کی زنبیل میں بہت سا کھانا بھرا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ تمہارے پاس تو بہت سا کھانا ہے تم نے اس میں سے اس کُتے کو کیوں نہیں دیا۔ بدو نے کہا کہ واہ یہ تو میری زاد راہ

ہے مسافرت میں اس میں سے کھاتا ہوں۔ اور اپنی زندگی بسر کرتا ہوں۔ اگر اس میں
سے میں اپنے کتے کو دیدوں تو میں کیا کھاؤں ❊

مسافر نے کہا تم رویا کرو تمہاری قسمت میں رونا ہی لکھا ہے یہی حال ہماری
قوم کا ہے۔ قوم کے تباہ حال پر روتے اور افسوس تو بہت کرتے ہیں۔ مگر اسکی
امداد کچھ نہیں کرتے۔ اپنی زنبیل میں بہت کچھ بھر رکھتے ہیں۔ مگر کتے کے ٹکڑا
نہیں دیتے۔ اور اس کے بھوکے مرنے پر روتے ہیں ❊

اسی سبب سے تو میں کبھی اپنی قوم کی نسبت کہتا ہوں۔ ہاں یعنی اس بدوی کا سا
قوم کا حال ہے۔ اور کبھی کچھ ان کی ہمدردی دیکھ کر کہتا ہوں کہ نا مگر اخیر کو تصفیہ ہاں
ہی ہاں کرنا پڑتا ہے۔ خدا ان کو توفیق دے کہ سب لوگ بقدر اپنی حیثیت کے
کے قوم کی مدد کریں اگر ایسا کریں تو جو خراب حال قوم کا ہے وہ چند روز میں
بدل جاوے اور قوم کو قوم کی حالت پر رونا نہ پڑے ❊

غیر مذہب کے پیشواؤں کا ہم کو ادب کرنا چاہیئے

ہم کو نہایت افسوس ہے۔ کہ جب ہم مذہبی مباحثوں کی کوئی کتاب دیکھتے ہیں۔ تو اُس میں ایک مذہب والا دوسرے مذہب کے پیشواؤں کا بری طرح پر ذکر کرتا ہے۔ یہ امر مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔ جس مذہب کے جو پیشوا رہیں۔ جب ہم اپنے مذہبی مباحثوں میں اُن کا ذکر کریں۔ تو ہم کو لازم ہے کہ اُن کو برا نہ کہیں۔ بلکہ ادب و تعظیم اُن کا ذکر کریں۔ خواہ وہ لوگ ہندو ہوں۔ یا پارسی۔ عیسائی ہوں یا یہودی یا خود مختلف عقائد کے مسلمان ہی ہوں۔ اگر ہم اُن کے بزرگوں و پیشواؤں کے ساتھ گستاخی سے پیش آئینگے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ اسی طرح ہمارے بزرگوں اور پیشواؤں کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ کہ لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم (سورۂ انعام آیت ۱۰۸)* یعنی مت برا کہو اُن کو جو خدا کے سوا اور کسی کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر وہ بڑھ کر نادانستگی سے خدا کو برا کہینگے۔ پس حقیقت میں غیر مذہب والوں کے پیشواؤں کو برا کہنا خود اپنے مذہب کے پیشواؤں کو اُن سے کہلوانا ہے جس کا گناہ انہیں پر ہوتا ہے جنہوں نے غیر مذہب کے پیشواؤں کو برا کہا ہے۔ علاوہ اس کے اخلاق اور متانت سے نہایت بعید ہے کہ ہم کسی مذہب کے پیشوا کا بے ادبی سے ذکر کریں۔ واللہ یھدی من یشاءُ الیٰ صراط مستقیم *

سورج کی گردش زمین کے گرد
قرآن مجید سے ثابت نہیں

لوگوں کا یہ خیال کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نمرود کے سامنے یہ حجت پیش کرنی۔کہ" ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب" اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد پھرتا ہے۔تمام بزرگان قدیم کیا عرب عربا۔اور کیا صحابہ کرام۔اور کیا علمائے اسلام اسی پر یقین کرتے تھے۔پس یہ کہنا کہ آفتاب ساکن ہے۔اور زمین اپنے محور پر یومؐ مطبلیۃ کی حرکت کرتی تھی۔جس کے سبب دن رات اور طلوع و غروب ہوتا ہے قرآن مجید کے برخلاف ہے +

مگر ہمارے نزدیک ایسا کہنا خود قرآن مجید کا مطلب اور اُس کا طرز کلام نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔قرآن مجید میں صرف یہ بیان ہے۔کہ حضرت ابراہیم ع نے کہا۔کہ خدا سورج کو مشرق سے لاتا ہے۔پھر اگر تجھ میں کچھ طاقت ہے تو اس کو مغرب سے لا۔ اور یہ نہیں تایا۔کہ کس طرح پر خدا اُس کو مشرق سے لاتا ہے۔خود اُس کی حرکت سے یا اور کسی چیز مثلاً زمین کی حرکت سے پس یہ کہنا۔کہ یہ آیت سورج کی گردش کی قطعی دلیل ہے محض غلط ہے +

اس بات پر عرب عربا۔یا صحابہ کرام یا علمائے اسلام یا تمام انسانوں کا یقین کرنا۔کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔اور مغرب کو جاتا ہے۔مشاہدہ پر مبنی ہے۔کیونکہ وہ اس طرح پر دیکھتے ہیں۔اس کی وجہ بیان کرنی پیغمبر کا کام نہیں تھا۔اور نہ اُن لوگوں کے لئے ضرور تھا۔جو اسی طرح پر سورج کا نکلنا اور غروب ہونا دیکھتے تھے۔بلکہ یہ کام علمائے علم ہیئت کا کام تھا۔اور اُن علماء نے

سورج کا زمین کے گرد پھرنا۔ جیسا کہ وہ دیکھتے تھے۔ بغیر تجربے اور بغیر تحقیقات کافی کے غلطی سے قرار دیا تھا۔ اور یہی امر تمام قدما کے دل میں خواہ وہ عرب عُرباہوں یا صحابہ کرام اور علمائے اسلام مستقر ہوگیا تھا۔ مگر اب تحقیقات علوم جدید سے اس امر کی غلطی ثابت ہوئی ہے +

اصلی مقصود اس آیت کا خدا کی کامل قدرت اور خدا کی بے انتہا عظمت کا ثابت کرنا ہے۔ نہ سورج کے اس طرح پر دکھائی دینے کے سبب کا پس اگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور علمائے اسلام نے اس کا سبب غلط سمجھا۔ خواہ اپنے اجتہاد سے۔ خواہ مشاہدہ سے۔ جیسا کہ ان کو دکھائی دیتا تھا۔ تو اُن کی بزرگی اور تقدس میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ خدا کے بندے۔ اور خدا کی عبادت کرنے والے تھے۔ نہ علم ہیئت کے دقیق مسائل کو حل کرنے والے۔ اور جو مقصود اس آیت کا تھا۔ اُس غلط فہمی سے اُس میں کچھ نقصان نہیں آتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہی بڑا معجزہ قرآن مجید کا ہے۔ کہ جاہل اور عالم دونوں کی برابر ہدایت کرتا ہے۔ جو ہدایت کہ قرآن مجید کا مقصود ہے +

سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید کو اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن امور سے جو لوگوں کے دلوں میں منقش تھے یا اُن رسوم سے جو ایام جاہلیت میں مروّج تھیں۔ بشرطیکہ مخالف اُس مقصد کے نہ ہوں۔ جس کے لئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے کچھ بحث یا تعرض نہیں تھا۔ اور اسی لئے اُسی طرح اُن کو چھوڑ دیا۔ جس طرح پر کہ وہ تھے۔ اور قرآن مجید میں بطور نقل یا بطور مُسلمات ان لوگوں کے (جن کو فہمائش کی جاتی ہے۔ اور جس پر حُجت الزامی کی بنا قائم ہوتی ہے) بیان کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ اُن امور کی حقیقت بھی اسی طرح پر ہے۔ جس طرح پر کہ وہ نقل کی گئی ہے +

اسی قسم کے امور سے کی بحث نہ کرنا۔ نہایت مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اُن امور سے بحث بھی کیجاوے۔ تو لوگ ایک نئی بحث اور فکر میں پڑجاوینگے۔ اور جس امر کی ہدایت اصلی مقصود ہے۔ وہ ضائع ہوجاویگی۔ مثلاً اسی مقام پر جو حضرت ابراہیم نے اپنی

حجت میں بیان کیا۔" ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب"
اگر اس کے عوض اس طرح وہ بیان کرتے کہ" اِنَّ اللّٰہَ یبدل دوران الارض
من المغرب الی المشرق۔ فبدل دوران الارض من المشرق الی المغرب" تو کوئی
شخص اس کا مطلب نہ سمجھتا۔ بلکہ سب لوگ حیران ہو جاتے۔ کہ زمین کے
پھرنے کے کیا معنی ہیں۔ اور اگر زمین پھرتی ہے۔ تو ہم ٹیڑھے کیوں نہیں
ہو جاتے۔ اور اس کا پھرنا ہم کو معلوم کیوں نہیں ہوتا۔ اور جب ہم اس کے
نیچے جاتے ہیں۔ تو گر کیوں نہیں پڑتے ۔

اول تو یہ سب امور جب تک کہ علم رفتہ رفتہ اعلےٰ ترقی پر نہ پہنچے معلوم
بھی نہیں ہو سکتے۔ اور پھر ان کا سمجھانا نہایت ہی مشکل پڑتا ہے۔ باوجودیکہ
علوم اس زمانہ میں ایسی ترقی پر پہنچ گئے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اب
بھی ان امور کے سمجھنے میں۔ اُن کی عقل عاجز ہے۔ پس قرآن اور پیغمبر خدا
صلے اللہ علیہ وسلم کو ان جھگڑوں میں پڑنا۔ اُس مقصود کا برباد کر دینا تھا۔ جس کے
لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ اور اس لئے ضرور تھا۔
کہ جو مسلمات اور رسومات ایسی ہیں جن سے اُس اصلی مقصود ہدایت میں
کچھ نقصان لازم نہیں آتا۔ ان کو نہ چھیڑا جاوے اور خلق موجودات کے
باریک باریک نکتوں کے سمجھانے پر متوجہ ہونا۔ جس کو ترقی علم اپنے وقت
پر بخوبی سمجھا سکتی تھی۔ محض غیر ضروری تھا ۔

قرآن مجید کی قسمیں

لوگ تعجب کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں اتنی قسمیں کیوں کھائیں۔ مگر اس شبہ کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے۔ کہ انہوں نے قرآن مجید کے طرز کلام پر غور نہیں کیا ؛

اول یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن مجید بلاشبہ خدا کا کلام ہے مگر وہ انسانوں کی زبان اور محاورہ میں نازل ہُوا ہے اور اس کا طرزِ کلام بعینہٖ ایسا ہے جیسے کہ ایک نہایت فصیح شخص عربی زبان میں کلام کرتا ہو اور اس کی فصاحت بے مثل ہو ؛

جس طرح کہ انسان کی زبانوں میں استعارہ اور کنایہ اور مجاز اور حقیقت پایا جاتا ہے اسی طرح کلام اللہ میں بھی موجود ہے۔ یہاں تک کہ عربی زبان میں غیر قوموں کے جو الفاظ شامل ہو گئے تھے وہ بھی قرآن مجید میں ہیں۔ زمانۂ نبوت میں جو طرز کلام عرب میں تھا اور جس طرح کہ وہ بات چیت کرتے تھے یا اپنے کلام کے استحکام اور اُسکے سچ ہونے پر زور دیتے تھے۔ اور جس قدر الفاظ غیر قوموں کے اُن کی زبان میں مل گئے تھے۔ اسی طرز کلام پر قرآن مجید نازل ہُوا ہے ؛

مثلاً لفظ سرادق جو قرآن میں ہے عربی کا لفظ نہیں ہے بلکہ لفظ سراپردہ جو فارسی زبان کا ہے اس کو معرب کر کے سرادق کر لیا ہے ؛

ابریق کا لفظ بھی قرآن مجید میں موجود ہے حالانکہ وہ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے بلکہ فارسی لفظ آبریز کو معرب کر کے ابریق بنا لیا ہے ؛

استبرق کا لفظ بھی قرآن مجید میں ہے وہ بھی عربی زبان کا لفظ نہیں ہے بلکہ فارسی زبان کے لفظ استروہ سے معرب کیا گیا ہے ؛

کنز کا لفظ بھی قرآن مجید میں ہے اور وہ بھی عربی زبان کا لفظ نہیں ہے بلکہ فارسی لفظ گنج سے معرب ہؤا ہے ❊

فردوس کا لفظ بھی قرآن مجید میں موجود ہے جو عربی زبان کا لفظ نہیں ہے - بلکہ آرین خاندان کی زبانوں سے لیا گیا ہے اور جو سنسکرت میں پردیش ہے - جس کے معنی اجنبی ملک کے ہیں - یہی لفظ جس کی شکل انگریزی زبان میں پیراڈائیز ہو گئی ہے ❊

اسی طرح بہت سے لفظ قرآن مجید میں ہیں جو عربی زبان کے لفظ نہیں ہیں - بلکہ عبرانی - سریانی - قبطی - فارسی - لاطینی اور یونانی زبانوں سے معرب ہو کر عربی زبان میں شامل ہو گئے ہیں جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "اتقان فی علوم القرآن" میں ایک مستقل باب اُن الفاظ کے لئے باندھا ہے جو غیر زبانوں سے معرب ہو کر عربی زبان میں شامل ہو گئے ہیں اور قرآن مجید میں موجود ہیں ❊

غرضکہ قرآن مجید ایسی زبان میں نازل ہؤا ہے - جو اس زمانہ کے اہل عرب کی زبان تھی ❊

طرز کلام قرآن مجید کا بھی اُسی زمانہ کے طرز کلام پر ہے - اُس زمانہ میں کاہنوں کی جو عرب میں مقدس گنے جاتے تھے یہ عادت تھی کہ عموماً فصیح کلام کرتے تھے اور اکثر مقفیٰ کلام بولتے تھے اور قسموں کا استعمال بھی کرتے تھے - اور جس بات کو وہ بطور کہانت یعنی اخبار بالغیب کے سچ سمجھتے تھے اور دوسروں کو اُس کے سچ ہونے کا یقین دلانا چاہتے تھے اس کو قسموں کے ساتھ بیان کرتے تھے - اسی طرز کلام پر جو عربوں کو عام طور پر مرغوب اور دل پسند تھا - اور جو نہایت فصیح طرز کلام سمجھا جاتا تھا - قرآن مجید نازل ہؤا ہے - اور اُس میں بھی جن باتوں کا یقین دلانا منظور ہے اُن کو قسموں کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسی طرز کلام کے سبب سے عرب کے لوگ آنحضرت کو کاہن خیال کرتے تھے - جس کی قرآن مجید میں تردید کی گئی ہے - چنانچہ قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے - فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر

قلیلا ما تؤمنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون تنزیل من
رب العالمین"۔ یعنی جو چیز تم کو دکھائی دیتی ہے اور جو نہیں دکھائی دیتی ہم کو
اس کی قسم ہے کہ یہ قرآن مجید ایک بڑے پیغمبر کا کلام ہے اور کسی شاعر کا کلام نہیں
ہے گر تم بہت کم یقین کرتے ہو۔ اور نہ وہ کسی کاہن کا قول ہے۔ مگر تم بہت کم غور کرتے
ہو۔ یہ پروردگار عالم کی طرف سے نازل ہوا ہے (الحاقہ - ۳۸ - ۴۳) ※

اس تردید کو بھی خدا نے قسم ہی کے ساتھ بیان کیا ہے اور قسم بھی ایسی جو
انہی کی سمجھ کے موافق تھی۔ دوسری جگہ خدا نے خود پیغمبر سے خطاب کر کے فرمایا
ہے "فذکر فما انت بنعمۃ ربک بکاھن ولا مجنون"۔ یعنی اے
پیغمبر تو نصیحت کئے جا خدا کے فضل سے نہ تو کاہن ہے نہ مجنون ہے۔
(طور - ۲۹) ※

زمانۂ جاہلیت کا کلام ہم تک بہت کم پہنچا ہے۔ مگر ابن اثیر نے اپنی کتاب
کامل میں قبیلۂ بنی خزاعہ کے ایک کاہن کا قول ہاشم کی فضیلت اور امیہ کی
منقصت میں نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کس قدر قسمیں
کھائی ہیں اور وہ قول یہ ہے "والقمر الباھر والکوکب الزاھر والغمام
الماطر وما بالجو من طائر وما اھتدی بعلم مسافر من منجد وغائر
لقد سبق ھاشم امیہ فی المآثر اول منہ واخر وابو ھمھمہ بذلک
خابر"۔ یعنی قسم ہے روشن چاند کی۔ قسم ہے روشن ستاروں کی قسم ہے برستے
بادلوں کی۔ قسم ہے آسمان میں اُڑنے والے پرندوں کی۔ قسم ہے اونچے اونچے
راستوں میں چلنے والے مسافروں کے نشانوں سے ہدایت پانے کی کہ ہاشم
امیہ پر اگلی اور پچھلی نیکیوں میں سبقت لے گیا ہے۔ اور ابو ہمہمہ کو اس بات
کی خبر ہے (کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۸) ※

اسی طرح قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا
وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰھَا وَالْاَرْضِ
وَمَا طَحٰھَا"۔ یعنی قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ کی۔ قسم ہے چاند کی
جب وہ سورج کے پیچھے نکلتا ہے۔ قسم ہے دن کی جب کہ سورج اس کو روشن

کرتا ہے۔ قسم ہے رات کی جب کہ وہ سورج کو چھپا لیتی ہے۔ قسم ہے آسمان کی اور اُس کے بنانے والے کی قسم ہے زمین کی اور اُس کے بنانے والے کی ٭

پس یہ قسمیں اسی طرز کلام پر واقع ہوئی ہیں۔ جو عرب کا طرز کلام تھا۔ ہاں اس طرح قسمیں کھانے پر اس بات کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہر گاہ خدا کے سوا اور کسی کی قسم کھانی منع کی گئی ہے تو خود خدا نے غیر خدا کی قسمیں کیوں کھائی ہیں مگر غیر خدا کی قسمیں کھانے کا امتناع اس سبب سے ہے کہ غیر خدا کی قسمیں کھانے سے اُس میں شانِ الوہیت کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ مگر جب کہ تسلیم کر لیا جاوے جیسا کہ قرآن مجید میں جا بجا بتایا گیا ہے کہ تمام چیزیں مخلوق ہیں اور خدا اُن سب کا خالق ہے۔ تو اگر خدا اپنی مخلوق کی قسم کھاوے تو کسی طرح شائبہ الوہیت اُس مخلوق میں نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اگر کچھ سمجھا جاتا ہے تو اسی قدر سمجھا جاتا ہے کہ وہ چیزیں اپنی خلقت میں یا انسان کے لئے مفید ہونے میں عظیم الشان اور عظیم القدر ہیں۔ لیکن اگر انسان ان میں سے کسی کی قسم کھاوے خصوصاً ایسی چیزوں کی جن کو مشرکین پوجتے تھے تو اُن میں شائبہ الوہیت کے ماننے کا شبہ جاتا ہے اور اس لئے انسانوں کو غیر خدا کی قسم کھانا منع کیا گیا ہے ٭

عرب کے لوگوں میں جو یہ عادت تھی کہ باتوں میں بہت سی قسمیں کھایا کرتے تھے اور بعضے ایسے تھے کہ قسم کھانا اُن کا تکیہ کلام ہو گیا تھا اور ہر بات پر "لا واللہ۔ بلی واللہ" بطور تائید کے و توثیق اپنی کلام کے کہا کرتے تھے اور اُن کو ہرگز یہ خیال نہیں ہوتا تھا۔ کہ ہم نے کوئی قسم کھائی ہے۔ اسی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے "لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم" یعنی تمہاری قسموں میں جو لغو قسمیں ہیں اُن پر خدا تم سے مواخذہ نہیں کرنے کا۔ لیکن جو قسمیں تم نے دل کے ارادے سے کھائی ہیں اُن پر مواخذہ کریگا ٭

دوسری آیت میں "بما کسبت قلوبکم" کی جگہ "بما عقدتم الایمان" ہے۔ اُس کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ خدا انہی قسموں پر پکڑیگا جن کو تم نے سمجھ بوجھ کر پختہ کیا ہے ٭

ہم بھی کبھی اسی رنگ میں تھے

ہمارے پاس جناب فرخندہ علی صاحب نے مقام حیدرآباد سے ایک تحریر بھیجی ہے
جو اُس تحریر کا جواب ہے ۔ جو جناب شمس العلماء شیخ محمود گیلانی نے اس باب
میں تحریر فرمائی ہے ۔ کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں سے زمین کا متحرک ہونا پایا
جاتا ہے ✣

جناب سید فرخندہ علی صاحب قرآن مجید کی بعض آیات کے استدلال سے
زمین کا ساکن ہونا ۔ اور آفتاب کا زمین کے گرد متحرک ہونا ثابت فرماتے ہیں ۔
اس پر کہتے ہیں ۔ کہ ہم بھی کبھی اسی رنگ میں تھے ۔ بہت مدت ہوئی ۔ کہ ہم نے
ایک رسالہ لکھا تھا ۔ جس کا نام ہے ۔ "قول متین فی ابطال حرکت زمین" ۔ اور
فخر کرتے تھے ۔ کہ نہایت خوبی سے ہم نے حرکت زمین کا ابطال کیا ہے
مگر جب غور کیا تو سمجھے ۔ کہ

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

اس وقت ہم کو ان دو نو بزرگوں کے دلائل پر جرح و قدح منظور نہیں ہے
بلکہ صرف ہم کو یہ کہنا ہے ۔ کہ قرآن مجید سے نہ زمین کا متحرک ہونا ثابت ہو سکتا
ہے ۔ نہ زمین کا ساکن ہونا ۔ اسی طرح نہ آفتاب کا متحرک ہونا ثابت ہو سکتا ہے
اور نہ ساکن ہونا ۔ اور نہ قرآن مجید کو اس مسئلہ دقیق ریاضی سے بحث کرنی مقصود
تھی ۔ کیونکہ ترقی علوم خود اس امر کا تصفیہ کرنے والی تھی ۔ اور قرآن مجید کا مقصد
اس سے زیادہ اعلےٰ اور افضل تھا ۔ اور ہرگز مصلحت نہ تھی کہ خدا ایسے باریک
مسئلہ کو ان بدوؤں اونٹوں کے چرانے والوں کے سامنے یا اُن عالموں کے
سامنے جن کے علم و تجربہ نے کافی ترقی نہیں کی تھی ۔ بیان کر کے لوگوں کو پریشانی
میں ڈالتا ۔ اور تعلیم اخلاق کو جو اصلی مقصد مذہب کا تھا ۔ اس دقیق مسائل میں

ڈال کر برباد کر دیتا۔ بااین ہمہ ہمارا یقین کامل ہے کہ ورک آف[1] گاڈ۔ اور ورڈ آف[2] گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے۔ گو ہم نے اپنے نقص علم سے کبھی ورڈ کے معنی غلط سمجھے ہوں۔ ایک دوست نے ہم سے کہا۔ کہ سورج کی گردش اُس کے محور پر قرآن مجید سے ثابت ہے اور یہ آیت پڑھی۔ والشمس تجری لمستقرلها ذلک تقدیر العزیز العلیم۔ پس لفظ مستقر لہا سے اس کی حرکت محوری ثابت ہے کہ اپنی جگہ پر بھی ہے اور حرکت بھی کرتا ہے۔ ہم نے کہا کہ آپ کی جودت ذہن خدا مبارک کرے۔ مگر خدا کو ان مسائل علم ہیأت سے بحث نہیں ہے۔ وہ اُن امور کو اسی طرح بیان کرتا ہے۔ جس طرح کہ لوگ اُن کو دیکھتے ہیں۔ اور اگر آپ کو بھی یہ مسئلہ حرکت شمس کا اپنے محور کے گرد علوم جدیدہ سے معلوم نہ ہوتا۔ تو آپ بھی یہ معنی جو فرماتے ہیں نہ فرماتے ✦

---

[1] فعل خدا ۱۲ [2] قول خدا ۱۲

خلافت اور خلیفہ

خلافت کے معنی جانشین ہونے کے ہیں۔ اور خلیفہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا جانشین ہو۔ مگر اب خلافت ایک مذہبی لفظ ہو گیا ہے۔ اور خلیفہ بھی ایک مذہبی عہدہ کا خیال کیا جاتا ہے۔ ابتدا اس کی رومن کیتھولک مذہب سے ہوئی۔ سب سے بڑا افسر سینٹ پیٹرز چرچ کا حضرت عیسٰے علیہ السلام کے حواری سینٹ پیٹرز کا جانشین سمجھا جاتا ہے جس کو پوپ کہتے ہیں +

رومن کیتھولک کے اعتقاد میں پوپ معصوم ہے یعنی اُس سے کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ رومن کیتھولک کا یہ اعتقاد ہے کہ پوپ کو دین و دُنیا اور نجات آخرت تینوں باتوں کے اختیارات حاصل ہیں۔ اور ہر ایک پوپ کو یہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس زمانہ میں بھی جو ہولی پوپ ہے اس کو بھی یہ اختیارات حاصل ہیں +

دُنیوی امور میں اختیار ہونا تو ایک ظاہری امر ہے۔ دینی اختیار ہونے میں سے یہ مراد ہے۔ کہ جو حکم وہ دینی امور میں صادر کرے۔ وہی مانا جاوے خواہ وہ پہلے احکام دینی کے موافق ہو۔ یا برخلاف اور گو کہ اُس نے ناجائز امر کو جائز۔ یا جائز امر کو ناجائز عموماً کر دیا ہو۔ یا کسی شخص کے لئے کر دیا ہو۔ نجات آخرت سے یہ مراد ہے۔ کہ اُس کو لوگوں کے گناہ معاف کر دینے کا جب کہ وہ پوپ کے سامنے اپنے گناہ بیان کرے اور معافی چاہیں۔ بالکل اختیار ہے۔ اور جب پوپ اُن گناہوں کو معاف کرے۔ تو وہ شخص ایسا ہی پاک صاف ہو جاتا ہے۔ کمن لا ذنب لہٗ۔ اور آخرت میں اُن گناہوں کی بابت کچھ اُس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی پوپ کو اختیار ہے۔ کہ مرے ہوئے لوگوں کو گناہوں سے نجات دے اور بہشت میں داخل کرے۔ اِسی لئے پوپ کی ٹوپی گول اور لمبی ہوتی ہے۔ اس کی چوٹی پر صلیب کی صورت بنی ہوتی ہے اور

ٹوپی کے گرد تین تاج ہوتے ہیں۔ پہلے تاج سے دنیوی اختیار مراد ہے۔ اور دوسرے تاج سے دینی اختیار۔ اور تیسرے تاج سے آخرت کا اختیار ❊

مسلمانوں میں رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکرؓ آنحضرت کے جانشین قرار پائے۔ اور ان کو خلیفہ رسول اللہ کا لقب بھی ملا۔ مگر وہ ایسے خلیفہ نہیں تھے۔ جیسا کہ رومن کیتھولک اپنے پوپوں کو سمجھتے ہیں۔ یعنی اُن کو دینی اختیارات کچھ نہیں تھے۔ نہ وہ حرام کو حلال کر سکتے تھے۔ نہ حلال کو حرام۔ صرف ان کا کام یہ تھا۔ کہ جو دینی احکام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں۔ اُن کی تعمیل اور تعلیم کی کوشش کریں۔ اور مسلمانوں کے گروہ کی جو ضروریات ہیں۔ اُن کو پورا کریں۔ اور مطلق اُن کو اختیار نہ تھا۔ کہ کسی دینی حکم کو منسوخ کریں۔ یا کوئی نیا حکم دین میں جاری کریں۔ اور آخرت کا اختیار اُن کو مطلق نہیں تھا۔ نہ وہ کسی کے گناہ معاف کر سکتے تھے۔ نہ کسی کو بخشوا سکتے تھے ❊

ہولی پوپ جو دینی حکم دیتا تھا۔ اُس میں کسی کو چون وچرا کرنے کی مجال نہ تھی۔ مگر اسلام میں جن کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اُن کے احکام دینی میں ہر شخص کو حق تھا۔ کہ اگر وہ خدا اور رسول کے حکموں کے برخلاف ہوں تو ان کو نہ مانے۔ اور اُس پر حجت کریں۔ غرضکہ جن کو مذہب اسلام میں خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اُن کو خلافت فی النبوۃ۔ یعنی مذہبی احکام کے وضع کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ بلکہ وہ صرف خلیفۃ النبی تھے۔ جس سے یہ مراد ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کو قائم رکھیں۔ اور مسلمانوں کے حالات کی اصلاح کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ رسول اللہ کہا گیا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے زمانہ سے یہ لفظ متروک ہو گیا۔ اور بجائے اس کے امیرالمؤمنین کا لقب اختیار کیا گیا۔ جو بالکل صحیح اور نہایت موزون اور واقع کے مطابق تھا ❊

حضرت علی مرتضےٰؓ کے زمانہ تک اور اُن کے بعد بھی چند روز تک بجائے خلیفہ کے امیرالمومنین کا لفظ زیادہ تر استعمال ہوتا تھا۔ مگر اُن کے بعد

اور امام حسن علیہ السلام کے زمانہ کے بعد جن لوگوں نے اقتدار حاصل کیا انہوں نے اس خیال سے کہ خلیفہ کا لفظ امیر المومنین کے لفظ سے زیادہ مقدس ہے اپنے تئیں خلیفہ کے لفظ سے تعبیر کیا۔ جیسے کہ خلفا سے بنی امیہ اور بنی عباس نے اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا بھی شامل کر لیا تھا۔ مگر یہ امر غور طلب ہے۔ کہ خلیفہ یا امیر المومنین کا ہونا قریش کی نسل کے لوگوں پر منحصر ہے یا نہیں ؛

اس باب میں مختلف روایتیں ہیں۔ مستدرک حاکم میں اور اس کی دوسری کتاب میں جو کنیتوں کے بیان میں ہے۔ حضرت انس سے ایک روایت لکھی ہے۔ اس میں ہے۔ الامراءُ من قریشٍ اور مستدرک حاکم۔ اور سنن بیہقی میں حضرت علی مرتضےٰ کی روایت سے لکھا ہے۔ الائمۃ من القریش۔ مسند امام احمد حنبل۔ اور بخاری۔ اور صحیح مسلم میں ابن عمر سے جو روایت ہے اس میں لکھا ہے۔ لا یزال ھذا الامر فی قریش۔ اور معجم طبرانی اور مسند امام احمد حنبل میں ذی مجمر کی روایت میں ہے۔ کان ھذا الامر فی حمیر فنزعہ اللہ منھم وجعلہ فی قریش۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہذا الامر سے قوم کی سرداری یا حکومت مراد ہے۔ کیونکہ حمیر کی قوم سے خلافت رسول اللہ تو کسی طرح منصوّر ہو نہیں سکتی۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ ہذا الامر سے قوم کی سرداری اور حکومت مراد ہے۔ نہ خلافت مصطلحہ ؛

اور مسند امام حنبل اور مسند ابی یعلی۔ اور صحیح ابن حبان اور جامع ترمذی میں سفینہ سے روایت ہے۔ الخلافۃ بعدی۔ فی اُمتی ثلاثون سنۃ ثم ملك بعد ذلك ؛

سنن ابو داؤد۔ اور مستدرک حاکم میں سفینہ ہی سے روایت ہے۔ خلافت النبوۃ ثلاثون سنۃً ثُمَّ یوتی اللہ الملك من یشاءُ۔ اور معجم طبرانی۔ اور شعب الایمان بیہقی۔ اور کتاب المعرفۃ ابو نعیم میں معاذ اور ابو عبیدہ بن الجراح سے روایت ہے کہ" ان ھذا الامر بدا۔ رحمۃً و نبوۃً ثم یکون رحمۃ وخلافۃ ثم کائن ملکا عضوضًا ثم کائن عتواً وجبریۃ وفسادًا فی الارض ؛

یہ تمام روائتیں جو ہم نے بیان کیں منتخب کنز العمال فی سنن الافعال والاقوال میں مندرج ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ تمام روائتیں مجروح ومقدوح ہیں۔ اور لائق اعتبار نہیں۔ مگر ہم اس آرٹیکل میں اس امر پر بحث نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں روائتوں کو قابل قبول تسلیم کرکے کہتے ہیں۔ کہ ہرگاہ خلافت کا اختتام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تیس برس بعد مذکور ہو چکا ہے۔ اور وہ تیس برس خلع خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام پر ختم ہوتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ ان کے بعد جو لوگ صاحب حکومت وسلطنت ہوئے ہم اُن کو خلیفہ رسول اللہ یا خلیفہ مصطلحہ قرار دیں۔ خواہ وہ قرشی ہوں۔ خواہ غیر قرشی *

پس خلافت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد جو لوگ صاحب حکومت ہوئے وہ لوگ بادشاہ یا سلطان یا والی ملک یا امیر وغیرہ قرار پا سکتے ہیں۔ اور جو مذہبی تعلق ہم مسلمانوں کو ان خلفاء سے تھا۔ جو زمانہ تیس برس بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ہوئے۔ وہ اُن حاکموں سے نہیں ہو سکتا۔ جو بعد تیس برس مذکور کے ہوئے۔ خواہ وہ اپنا نام خلیفہ رکھیں۔ یا سلطان یا امیر یا جو کچھ چاہیں۔ پس کسی مسلمان حاکم کو جو کسی ملک میں حکومت رکھتا ہو۔ بجز ایک مسلمان حاکم کے اور کچھ نہیں خیال کر سکتے۔ نہ اُس کو خلیفہ رسول اللہ یا خلیفہ خلیفہ رسول اللہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ ہاں بیشک اسلامی اتحاد اُس کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اُس کی بھلائی و بہتری سے خوش اور اُس کی بُرائی و ذلت سے غمگین ہوتے ہیں۔ سلطان ٹرکی کی اُس فتح سے جو اس وقت یونانیوں پر حاصل ہوئی ہے۔ بہ سبب اُس اتحاد قومی کے جو اسلام نے مسلمانوں پر قائم کیا ہے مسلمان نہایت خوش ہیں اور خدا کا شکر کرتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ترکوں کی شکست ہوتی۔ تو ہم کو اُسی اتحاد کے سبب ضرور رنج ہوتا۔ اور یہ ایک امر انسان کا طبعی ہے۔ جس سے انکار نہیں ہو سکتا *

یونانی ہمارے حاکم نہیں ہیں۔ ہم اُن کی رعیت نہیں ہیں۔ پس ہم کو یہ کہنے میں کہ خوب ہوا یونانیوں نے شکست پائی اور ذلیل ہوئے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ترکوں نے فتح پائی۔ کیا تامل ہے *

ہم کو ہرگز نہیں معلوم ہے۔ کہ گورنمنٹ انگریزی کی جس کے امن میں بطور رعیت ہم مسلمان رہتے ہیں۔ اس لڑائی میں جو ترکوں اور یونانیوں سے ہوئی۔ کیا پالیسی ہے۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ انگلش گورنمنٹ کی پالیسی ترکوں کے برخلاف ہے۔ ہم کو اس پر یقین نہیں۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے۔ کہ لوگ وہ بات کہتے ہیں کہ ان کو درحقیقت معلوم نہیں۔ اور اگر بالفرض انگلش گورنمنٹ کی پالیسی ترکوں کے برخلاف ہو۔ تب بھی از روے مذہب کے جو ہمارا فرض اپنے حاکموں کی اطاعت اور فرماں برداری کا ہے۔ اُس سے ہم کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اور ایسی حالت میں بھی ہمارا فرض ہے کہ اپنی گورنمنٹ کے مطیع فرمانبردار اور وفادار رہیں۔ بہت سے بہت اگر کچھ کر سکتے ہیں۔ تو یہ ہے کہ خدا سے دعا کیا کریں۔ کہ برٹش گورنمنٹ اور مسلمانوں کی سلطنتوں میں خواہ وہ ٹرکی کی ہو۔ یا ایران یا افغانستان کی یا اور کسی دُور دراز ملک کی۔ دوستی اور ارتباط رہے۔ اور کبھی مخالفت پیدا نہ ہو۔

ہندو اور مسلمانوں میں ارتباط

جس قدر سوشیل برتاؤ اور باہمی محبت و ارتباط ہندو اور مسلمانوں میں ترقی پکڑتا جاوے۔ ہم کو نہایت خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی آریا قومیں بھی خاص ہندوستان کے رہنے والی نہیں ہیں۔ دوسرے ملک سے آکر ہندوستان میں فتحمندی کے ساتھ آباد ہوئی ہیں۔ ان کے ہندوستان میں آباد ہونے کو زمانہ کثیر گذر گیا۔ جس کے سبب وہ ہندوستان کے متوطن اور ہندوستان کے رہنے والے ہندو کہلائے۔ مسلمانوں کو بھی ہندوستان میں آئے ہوئے کچھ کم زمانہ نہیں ہوا۔ اُن کی بھی متعدد پشتیں ہندوستان ہی کی زمین پر گذری ہیں۔ بہت سے ایسے مسلمان ہیں۔ جن میں آریاؤں کے خون کا بھی میل ہے۔ بہت سے ایسے ہیں۔ جو خالص آریا کہلائے جا سکتے ہیں۔ صدیاں گذر گئیں کہ ہم دونوں ایک ہی زمین پر رہتے ہیں۔ ایک ہی زمین کی پیداوار کھاتے ہیں۔ ایک ہی زمین کا یا دریا کا پانی پیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی ہوا کھا کر جیتے ہیں۔ پس مسلمانوں اور ہندوؤں میں کچھ مغائرت نہیں ہے۔ جس طرح آریا قوم کے لوگ ہندو کہلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جا سکتے ہیں۔ ہم نے متعدد دفعہ کہا ہے کہ ہندوستان ایک خوبصورت دُلھن ہے۔ اور ہندو اور مسلمان اور اُس کی دو آنکھیں ہیں۔ اُس کی خوبصورتی اس میں ہے۔ کہ اُس کی دونو آنکھیں سلامت و برابر رہیں۔ اگر اُن میں سے ایک برابر نہ رہی تو وہ خوبصورت دلھن بھینگی ہو جاویگی۔ اور اگر ایک آنکھ جاتی رہی۔ تو کانی ہو جاویگی۔ ہم دونو کی سوشیل حالت قریب قریب ایک ہی سی ہے۔ بلکہ بہت سی عادتیں اور رسمیں ہم مسلمانوں میں ہندوؤں کی آ گئی ہیں۔ پس جس قدر ان دونو قوموں میں زیادہ تر محبت زیادہ تر اخلاص زیادہ تر ایک

دوسری کی امداد بڑھتی جاوے۔ اور ایک دوسرے کو مثل بھائی کے سمجھیں۔ کیونکہ ہموطن بھائی ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں۔ اُسی قدر ہم کو خوشی ہوتی ہے اس زمانہ میں تین باتوں سے اس محبت و اخلاص کا علانیہ ثبوت دیا گیا ہے سب سے اول یہ بات ہے۔ کہ ان دنوں میں سلطان ٹرکی کی یونان پر فتح ہونے کی اکثر جگہ مسلمانوں نے خوشی کی اور مجلسیں آراستہ کیں "شہر میں چراغان روشن کئے" سلطان کو مبارکبادی کے تار بھیجے۔ ہم نے سُنا ہے۔ کہ دکن کے ہندؤں نے بھی اُسی طرح خوشی منائی۔ اور سلطان کو مبارک باد کے تار بھیجے جو کافی ثبوت دونو قوموں میں اخوت کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے سُنا ہے۔ کہ بریلی میں ہندو مسلمانوں نے نہایت خوبی سے ایک دوسری کی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ یعنی بقرعید کے روز مسلمانوں نے گائے کی قربانی نہیں کی۔ بلکہ ہندؤں کی خاطر سے بکرے اور بھیڑوں کی قربانی کی۔ اور ہندؤں نے بھی اس بات کا خیال اُٹھالیا۔ کہ کوئی مسلمان گاے کی قربانی کرتا ہے۔ یا بکرے بھیڑی کی۔ اور ہندؤں نے محرم کے زمانہ میں سبیلیں لگانے کا اور مسلمانوں کے ساتھ غم میں شریک ہونے کا اقرار کیا ہے۔ ہماری بھی مدت سے یہی رائے ہے کہ اگر گاے کی قربانی ترک کرنے سے آپس میں ہندو اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت قائم ہو۔ تو گاے کی قربانی نہ کرنا اُس کے کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ سول ڈویژن مانک پور گنج ضلع ڈھاکہ میں ایک مسجد بنانے کی ضرورت ہے۔ اور اُس مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ جمع کرنا چاہئے۔ اس کے لئے ہندو اور مسلمان دونو نے شامل ہو کر کمیٹی بنائی ہے۔ اور ہندو اور مسلمان ملکر اُس کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے مسلمان زیادہ غریب اور زیادہ ذلیل ہیں۔ اس لئے ہندو اس مسجد کی تعمیر کے لئے زیادہ کوشش کر رہے ہیں۔ ہم اس محبت و ہمدردی اور باہمی بھائی چارہ پر جو ہندؤں نے ظاہر کی ہے۔ دونو قوموں کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہماری رائے میں جس طرح کہ اختلاف مذہب جیسا کہ مسلمانوں اور ہندؤں میں ہے۔ سوشل برتاؤ اور باہمی محبت و اخلاص

اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح پولیٹیکل امور کا اختلاف بھی سوشئل برتاؤ اور باہمی محبت و اخلاص اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا مانع نہیں ہے۔ اس زمانہ میں ہندو اور مسلمان دونو گورنمنٹ انگلشیہ کی رعایا ہیں۔ اور اس کے سایۂ عاطفت میں ہر قسم کی خوشی اور امن اور آزادی سے بسر کرتے ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ دونو قوموں کے باہم پولیٹیکل امور میں اختلاف رائے ہے۔ ہندو اُس پولیٹیکل پالیسی کے طرفدار ہیں۔ جو کانگرس کے اعلےٰ ممبروں یا اُس کے حامیوں اور طرفداروں کی ہے۔ اور جس کا ہر سال مختلف مقامات میں کانگرس کے نام سے اعلان کیا جاتا ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے۔ مسلمان اُس پالیسی کے برخلاف ہیں۔ لوگ اُن پر اتہام لگاتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ کے خوشامدی ہیں۔ لیکن یہ اتہام غلط ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے نزدیک ملک کے انتظام اور امن میں اُس پالیسی سے خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اور کسی طرح وہ پالیسی ہندوستان کی حالت کے مناسب نہیں ہے۔ پس اس اتحاد و یکجہتی سے جو اس وقت ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ ظاہر کی ہے۔ اگر یہ مقصود ہو کہ مسلمان بھی ہندوؤں کے ساتھ کانگرس میں اور اُن کی پالیسی میں شریک ہو جائینگے۔ تو ہمارے نزدیک اس مقصد کا حاصل ہونا۔ محالات سے ہے اور ملک کے انتظام اور امن میں نہایت خلل ڈالنے والا ہے۔ گو بعض ناعاقبت اندیش اور امور مملکت سے ناواقف اور ناشدنی باتوں پر یقین کرنے والے مسلمان ہندوؤں کی پالیسی میں شریک اور کانگرس کے جلسوں میں شامل ہو جاویں۔ مگر عموماً مسلمان اُس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم اختلاف مذہب سے قطع نظر کر کے ہندو مسلمانوں میں دوستی و محبت و یگانگت اور آپس میں ہمدردی کا برتاؤ چاہتے ہیں۔ اسی پولیٹیکل اختلاف رائے سے بھی قطع نظر کر کے سوشئل امور میں باہم دوستی و محبت و ہمدردی و بھائی بندی کا برتاؤ چاہتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو غیر معمولی طریقہ پر ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ بھائی بندی

وہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ وہ ایک دھوکا مسلمانوں کو کانگرس میں شامل کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ سچی بھائی بندی۔ سچی ہمدردی اور سچی ہموطنی کا سبب ہے اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں۔ کہ ایسا ہی ہو۔ اور ہم دو نو قوموں میں نہایت محبت واخلاص سے گورنمنٹ انگلشیہ کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگی نہایت وفاداری سے بسر کریں۔ اور ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصر انڈیا کی سلامتی اور درازی سلطنت کی دعا کرتے رہیں جس کی بے نظیر سلطنت کے ساٹھویں سال جلوس کا عنقریب جشن ہونے والا ہے ؛
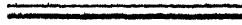
یونانی اور ترک

یونانیوں پر ترکی کی فتح کی خوشی میں مسلمانوں نے حداعتدال سے باہر قدم رکھا ہے۔ ترکوں کی اس فتح کو اسلام کی فتح سے پکارتے ہیں ہماری دانست میں ایسے امور میں اسلام کو شامل کرنا۔ اور ہر سلام اسلام پکارنا۔ نہایت ناسمجھی کی بات ہے۔ اسلام کی فتح آج نہیں ہوئی۔ بلکہ اُس دن ہوئی۔ جب کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں کافروں اور مشرکوں اور بُت پرستوں میں کھڑے ہو کر فرمایا۔ لا الہ الا اللہ۔ کافر کہتے ہی رہے۔ اجعل الالھۃ الھًا واحدا ان ھذا الشئ عجاب یعنی کیا اُس نے بہت سے خداؤں کے بدلے ایک ہی خدا ٹھیرایا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ مگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔ لا الہ الا اللہ۔ خدا نے بھی یہی کہا۔ ان اعبدونی ھذا صراط مستقیم یعنی میری ہی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ پس کسی مسلمان بادشاہ کی فتحیابی کو اسلام کی فتح اسلام کی فتح سے پکارنا اسلام کی قدر و منزلت کو نا سمجھنا ہے۔ فتح اور شکست خدا کی دین ہے جس کو چاہے وہ خود عطا فرماتا ہے۔ وتلک الایام نداولھا بین الناس یعنی ہم ان دنوں کو لوگوں میں اَدلتے بَدلتے رہتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کے غیر مذہب والوں پر فتح ہوتی ہے۔ کبھی غیر مذہب والوں کی مسلمانوں پر۔ جب کہ ترکوں نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی مدد سے روسیوں پر فتح پائی تھی۔ تو ہم اس فتح کو کس نام سے پکاریں۔ اور جب ترکوں کی روسیوں سے شکست ہوئی۔ تو کیا ہم اس شکست کو اسلام کی شکست سے (نعوذ باللہ) موسوم کریں۔ حاشا وکلا ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے ساتھ جو دنیاوی امور اور دنیاوی اسباب پر منحصر ہیں۔ کبھی اِدھر ہوتے ہیں کبھی اُدھر اسلام کے معزز نام کو جس نے اصلی فتح پائی ہے اور جو ہمیشہ فتحمند رہیگا۔ شامل کرنا

بکمال ناسمجھی کی بات ہے۔ ہم کو خوشی ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان سلطنت
اس جنگ میں فتحیاب ہوئی اور برباد نہیں ہوئی۔ لیکن اسکو ایک اسلامی لباس
پہنانا۔ اور اسلام کی فتح پکارنا۔ اگر حد سے باہر قدم رکھنا نہیں
ہے۔ تو اور کیا ہے۔ اور یہ فتح ایسی کونسی فتح ہے۔ جس پر اتنا شور غل مچایا
جاوے۔ ہر شخص جانتا تھا۔ کہ ترکوں کے آگے یونانیوں کی کچھ حقیقت نہیں ہے
اگر وہ مقابلہ کرینگے۔ تو جس طرح ایک باز چڑیا کو مار لیتا ہے اسی طرح ترک
یونانیوں کو مار لینگے۔ اندیشہ اگر تھا۔ تو یہ تھا۔ کہ یونانیوں کو ترکوں سے
مقابلہ کرنے جرأت کیوں ہوئی۔ اور اس لئے خیال جاتا تھا۔ کہ در پردہ
کوئی بڑی قوی سلطنت یونانیوں کی مدد پر ہے۔ اس شبہ کو مسٹر گلیڈسٹون
کی نامعقول سپیچوں اور تحریروں نے۔ اور لنڈن کے ریڈیکل مجنونوں کی
اسپیچوں اور ٹیلی گراموں نے زیادہ قوی کردیا تھا۔ مگر ہر سمجھدار سمجھ سکتا تھا۔
کہ نہ مسٹر گلیڈسٹون گورنمنٹ پر ہیں۔ نہ اُن قلیل ریڈیکل ممبران پارلیمنٹ
کا گورنمنٹ پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے۔ پس یہ خیال کرلینا کہ گورنمنٹ انگریزی کی
پالیسی ترکوں کے برخلاف ہے۔ نہایت غلطی اور سفاہت پر مبنی تھی۔ جب
لڑائی کا معرکہ گرم ہوا۔ تو کسی بڑی سلطنت نے یونانیوں کا ساتھ نہیں دیا۔
اور اس سے ظاہر ہوگیا۔ کہ نہ گورنمنٹ انگریزی یونانیوں کی مددگار تھی۔ نہ
فرانس۔ نہ جرمن۔ نہ کوئی اور گورنمنٹ۔ اب آیندہ جو کچھ ہو اُس کی بناء
پولیٹیکل مصلحتوں پر ہوگی۔ نہ اسلام کی مخالفت پر۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو جو
اس معاملہ میں اس قدر جوش و خروش ہوا۔ ہماری انست میں صرف انگریزی اخبار
اُس کا باعث ہوئے ہیں۔ مسٹر گلیڈسٹون نے اور انگریزی اخباروں نے
کوئی درجہ اہانت اور سخت کلامی کا سلطان کی نسبت نہیں چھوڑا تھا۔ اور کوئی بدی
اور برائی ایسی نہ تھی۔ جو انہوں نے ترکوں کی نسبت نہ لگائی ہو۔ اور یہ سب باتیں
خاصکر ترکوں اور عام طور پر سب مسلمانوں کو رنجدہ اور سخت رنجدہ تھیں۔ مگر
جب ترکوں کی فتح ہوئی۔ تو انہوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا رحم برتا۔
کہ اُس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً جب یونانیوں کے ایک گروہ کے پاس

کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ تو ترکوں نے اپنے پاس سے اُن کو کھانے کو دیا۔ یونانیوں کے مجروحوں کی تیمار داری کی۔ اور نہایت مہربانی سے ان کے ساتھ برتاؤ کیا۔ اب ترکوں کی فتح ہونے کے بعد اُس رنج کے مقابلہ میں مسلمانان ہند نے اُس فتح کی خوشی میں حد اعتدال سے زیادہ خوشی ظاہر کی۔ اور گورنمنٹ انگریزی نہایت خاموشی سے ان سب باتوں کو دیکھتی رہی۔ ہم بھی اس خوشی کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے۔ مگر یہ بتلاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہندوستان میں انگریزی گورنمنٹ کی رعایا ہیں۔ اور اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ ہم غیر سلطنتوں کے ساتھ پولیٹکل امور میں کوئی کام اور کوئی فعل ایسا نہیں کر سکتے۔ جو گورنمنٹ کے برخلاف ہو۔ پس ہم کو لازم ہے۔ کہ ہم وہی کریں۔ جو گورنمنٹ کی مرضی کے برخلاف نہ ہو ؛

ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم

اور گورنمنٹ

ایک زمانہ ہندوستان پر ایسا گذرا ہے کہ بڑے بڑے پولیٹشنوں کی یہ رائے تھی کہ ہندوستانیوں کو علوم جدیدہ اور زبان انگریزی کی اعلےٰ تعلیم دینا نہیں چاہیئے بلکہ اُن کو ایشیائی علوم میں جو محض بے سود ہیں غلطاں اور بیچاں رہنے دینا مناسب ہے۔ تاکہ ہندوستان کو زیر رکھنے اور ہندوستان کو وحشیوں کی حالت سے آگے نہ بڑھنے اور اُن کی آنکھ کے نہ کھلنے دینے کو اس سے بہتر کوئی پالیسی نہیں ہے*

ان کے برخلاف چند نیک دل پالٹیشن ایسے تھے۔ جن کی یہ رائے تھی کہ نہیں ہندوستانیوں کو اعلےٰ تعلیم دینا چاہیئے اگر ہم ایسا نہ کرینگے تو اپنا فرض اُن لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے ہم کو حکومت دی ہے ادا نہیں کرینگے*

چند سال تک پہلوں کی رائے غالب رہی اور ایشیائی علوم اور ایشیائی زبانوں کی تعلیم پر بڑی سرگرمی رہی۔ آخرکار پچھلوں کی رائے غالب آئی جس کا نتیجہ ہندوستان میں یونیورسٹیوں کا قائم ہونا ہے۔ مگر یہ مت سمجھو کہ پہلی رائے معدوم ہوگئی ہے۔ بلکہ اب تک موجود ہے اور اُس کے پھر زندہ ہونے کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ وہ پھر زندہ ہو جاوے یا زندہ ہوگئی ہو*

ہندوستان کی یونیورسٹیاں مثل انگلستان کی یونیورسٹیوں کے اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں دیتی ہیں۔ مگر اُس کو اعلےٰ تعلیم کہنا نہایت شرم کی بات ہے*

اعلیٰ تعلیم صرف چند کتابوں کے پڑھ لینے اور طوطی کی طرح یاد کر لینے اور

امتحان دیے دینے اور انگریزی میں (آئی ٹی ٹیل) بول لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اُس کے لئے سب سے بڑی تعلیم دینے والی عمدہ سوسائٹی ہے۔ جس کا وجود ہندوستان میں نہیں ہے اور شاید صدیوں تک ابھی نہیں ہونے کا۔ ایک دانشمند کا قول ہے کہ انگلستان میں بچوں اور طالب علموں کو کتاب پڑھنے سے اس قدر تعلیم نہیں ہوتی جس قدر کہ کان اور آنکھ سے ہوتی ہے ✣

تربیت تعلیم کا بہت بڑا رکن ہے۔ مدرستہ العلوم میں ہم نے طالب علموں کی تربیت پر حتے الامقدور کوشش کی ہے مگر انگلستان کے کالجوں اور سکولوں کی سی تربیت تو محال ہے البتہ اس قدر کہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے اور کالجوں کی نسبت مدرستہ العلوم میں تعلیم کے ساتھ عمدہ تربیت بھی ہوتی ہے ✣

علاوہ اس کے انگلستان کے کالجوں میں اُن طالب علموں کے لئے جو اعلےٰ درجہ کی ڈگری پاتے ہیں۔ اُن علوم میں ترقی کرنے کو جن کا اُن کو مذاق ہے ہزاروں روپیہ سال کی فلوشپ دی جاتی ہے۔ جس سے وہ فارغ البال ہو کر اُس علم میں اعلےٰ درجہ کی ترقی کرتے ہیں اور نئی نئی ایجادوں اور عمدہ عمدہ تصانیف سے ملک کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور علم کو قوم میں شائع کرتے ہیں ✣

ہندوستان کے کسی کالج میں اس کا وجود بھی نہیں ہے۔ اور ہندوستان کے طالب علم جو کچا پکا علم کالجوں سے حاصل کرتے ہیں اُس کی ترقی کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اس لئے جو کچھ انہوں نے سیکھا ہے۔ اُس میں بھی روز بروز تنزل ہو جاتا ہے۔ ہم نے چاہا تھا کہ مدرستہ العلوم میں فلوشپ مقرر کرنے کا دستور جاری کریں۔ مگر اس کے لئے سرمایہ ہم نہیں پہنچ سکتا اس سبب سے مجبور ہیں ✣

اس بیان سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان میں جو اعلےٰ درجہ کی تعلیم کہلائی جاتی ہے۔ وہ درحقیقت اعلےٰ درجہ کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک ادنےٰ درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ مگر جہاں کسی نے کوئی ڈگری یونیورسٹی سے پائی اُس نے سمجھ لیا کہ اب میں بہت بڑا عالم ہو گیا۔ اور کوس لمن الملک الیوم بجانا شروع

کردیا۔ مگر وہ آواز طبل سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ تاوقتیکہ آزادی کو وہ اپنا ایمان بناتا ہے اور یہ سمجھتا بھی نہیں کہ آزادی کیا چیز ہے حب الوطنی کا بہت جوش اس کے دل میں اٹھتا ہے۔ مگر وہ نہیں سمجھتا کہ حب الوطنی کیا چیز ہے۔ اور کیونکر ہوتی ہے۔ پالیٹکس میں جو ایک بہت بڑا اور عمیق فن ہے اُس میں تو اپنے تئیں وہ لاثانی سمجھتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نتیجہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم اور تربیت نہ ہونے کا ہے۔ یہ تمام باتیں صرف انہیں لوگوں میں نہیں ہوتیں جنہوں نے یونیورسٹی کی کوئی ڈگری پائی ہے۔ بلکہ اُن طالب علموں میں بھی جنہوں نے اے۔ بی۔ سی۔ ڈی شروع کی ہے۔ یہ سب باتیں دیکھا دیکھی اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہیں۔ شور وشغب کرنا اور گورنمنٹ کی ہر ایک بات میں مخالفت کرنا اور ملک میں غل مچاتے پھرنا۔ اُن کا شیوہ ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ اس زمانہ میں کانگریس والوں کا شیوہ ہے۔ اگر یہی نتیجہ انگریزی تعلیم کا ہے۔ تو ہم کو خوف ہے کہ اُن پرانے پالیٹیشنوں کی رائے پھر زندہ ہوجاویگی اور اُس رائے کا زندہ کرنا گورنمنٹ کا فرض ہوجاویگا۔ اور زیادہ تر مسلمان طالب علموں کا نقصان ہوگا۔ جنہوں نے ابھی چند روز سے انگریزی تعلیم پر کسی قدر توجہ کی ہے ✤

بنگالیوں میں۔ دکن کے برہمنوں میں۔ پارسیوں میں بہت کثرت سے ایسے لوگ ہوگئے ہیں جو اپنی قوم کے بُرے بھلے لوگوں کو سنبھال سکینگے لیکن مسلمانوں کی ایسی حالت نہیں ہے۔ اگر مسلمان طالب علموں نے بھی ویسا ہی طریقہ اختیار کیا جیسا کہ اُن قوموں کے طالبعلموں نے اختیار کیا ہے تو اُن کا دین اور دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں رہنے کا ✤

ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ پنجاب میں جو حضور ملکہ معظمہ قیصر انڈیا اسٹیچو کا قائم کرنے کی تجویز پیش ہوئی تھی اُس میں کیا امر تھا جو اس قدر شور وغوغا کیا گیا اور ایسا طریقہ برتا گیا جو تہذیب کے بالکل برخلاف تھا ✤

چند لوگوں نے یہ تجویز قرار دی تھی کہ ملکہ معظمہ قیصر انڈیا کا اسٹیچو لاہور میں قائم کیا جاوے۔ جو لوگ اس کے بانی تھے انہوں نے اس تجویز کو قطعی قرار دیدیا تھا۔

اور عام مجمع میں اس تجویز کو اِس لئے پیش کیا تھا۔ کہ جو لوگ اس کو پسند کرتے ہوں اس میں شریک ہوں۔ اور جو لوگ اپنا روپیہ اس سے بہتر اور مفید کام میں لگانا چاہتے ہوں۔ اُن کو اختیار کلی تھا کہ وہ اس میں شریک نہ ہوں اور چندہ نہ دیں۔ پس کوئی وجہ شور و شغب کرنے اور بے تہذیبی برتنے کی نہ تھی سیدھی بات تھی کہ جن لوگوں کا خیال کسی دوسرے مفید کام کی طرف تھا اُس کے چندہ میں شریک نہ ہوتے۔ ہمارے نزدیک اگر سچی اور حقیقی اعلےٰ تعلیم پائے ہوئے لوگ اُس مجمع میں ہوتے تو نہایت خاموشی سے اُن لوگوں کی تقریر سنتے اور پھر اُن کو اختیار تھا کہ اُس میں شریک ہوتے یا نہ ہوتے۔ مگر جو کچھ اُس مجمع میں ہُوا۔ اُس کے ہونے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ہم تو اپنے کالج کے مسلمان طالبعلموں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ کسی پولیٹیکل مباحثہ میں کبھی نہ پڑیں۔ پولیٹکل امور میں کسی کالج کے طالب علموں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اُن کو اپنے تحصیل علوم میں مشغول رہنا چاہیئے۔ پولیٹکل امور ایسے نازک اور باریک ہیں کہ بڑی معلومات اور وسیع علم اور بہت سے تجربوں کے بعد اُس میں رائے لگانے کا موقع ملتا ہے۔ جن کے معلومات نہایت محدود ہیں۔ جن کا علم ابھی کچا ہے وہ کیا رائے اُس کی نسبت لگا سکتے ہیں *

بہت لوگوں کا خیال ہے کہ جب مسلمان بھی اس قدر تعلیم یافتہ ہو جاوینگے جس قدر کہ بنگالی ہیں تو وہ بھی اُن کے ساتھ ہو جاوینگے اور تعلیم کو ایسا ہی بدنام کرینگے۔ جیسا کہ اُنہوں نے کیا ہے۔ اگرچہ ہم مسلمانوں کی تعلیم کے دل سے خواہاں ہیں۔ لیکن اگر اس تعلیم کا وہی نتیجہ ہو جو اور قوموں میں ہوا ہے تو خود ہم کو مسلمانوں کی تعلیم پر کوشش کرنے کا افسوس ہوگا اور ہم کو کہنا پڑیگا کہ ؎

بیشک این فتنہ است خواہش بردہ بہ

مگر ہم کو اپنے کالج کے مسلمان طالب علموں سے ایسی توقع نہیں ہے اُن کو تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے وہ ہرگز گورنمنٹ کی مخالفت پر کمر نہیں باندھینگے۔ اور گورنمنٹ کی پالیسی کو سمجھینگے اور جانینگے کہ گورنمنٹ کو کیا کیا مشکلیں پیش آتی ہیں اور کس خوبی اور عمدگی سے وہ اُن کو حل کرتی ہے۔

اورجہاں تک ممکن ہے رعایا کی آسودگی اور بہبودی اورخوشحالی میں کوشش
کرتی ہے اور اگر ہم زیادہ تر لائق۔زیادہ تر وفادار۔زیادہ تر قابل اطمینان
گورنمنٹ کے ہونگے۔توزیادہ آسائش سے بسر کرینگے۔پس یہی طریقہ ہمارے
مسلمان طالب علموں کو اختیار کرنا چاہئے ٭

سلطان اور ہندوستان کے مسلمان

اس عنوان کے نیچے اخبار پایونیر میں ایک تار قسطنطنیہ کا مورخہ ۱۷ جون چھپا ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے:-

"جو جواب سلطان نے ہندوستان کے مسلمانوں کی مبارکبادیوں کا ارسال فرمایا ہے جو انہوں نے یونان پر ٹرکی کی فتوحات کی نسبت سلطان ممدوح کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ وہ ایک طولانی چٹھی میں درج ہے۔ جس میں خلیفہ کی نسبت تمام سچے مسلمانوں کے فرائض بیان کئے گئے ہیں جن میں نقصانات نقدی اور اخلاقی اور جسمانی شامل ہیں۔ چٹھی مذکور کے خاتمہ پر یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اسلام کی قوت اتفاق اور یکجہتی پر منحصر ہے۔ یہ چٹھی خاص ایلچیوں کی معرفت ہندوستان اور مصر اور عرب کے شیوخ اور علما کے پاس بھیجی جاویگی" +

اس ٹیلیگرام کا ترجمہ ہمارے پچھلے اخبار میں چھپ چکا ہے مگر اس وقت ہم اس ٹیلیگرام کے مضمون پر غور کرتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا اس میں کچھ غلطی ہے ہمارے نزدیک جہاں تک اس کا مضمون ہندوستان کے مسلمانوں سے متعلق ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ سلطان نے اسی مضمون کی کوئی چٹھی مصر اور عرب کے علما اور شیوخ کے پاس بھیجی ہو۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس ایسی چٹھی کا بھیجنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور ظاہرا ٹیلیگرام کا یہ بیان کہ "سلطان نے ہندوستان کے مسلمانوں کی مبارکبادی کے جواب میں یہ چٹھی لکھی ہے۔ اور یہ چٹھی خاص ایلچیوں کی معرفت ہندوستان کے علما کے پاس بھیجی جاویگی" صحیح نہیں معلوم ہوتا +

ہماری دانست میں بموجب نیشنل لا کے سلطان کو اس قسم کی پولیٹکل تحریر کرنے کا کسی دوسری سلطنت کی رعایا کو بلا توسط وہاں کی گورنمنٹ کے اختیار نہیں ہے اور ہم ہرگز خیال نہیں کر سکتے کہ سلطان ٹرکی کو یہ امر معلوم نہ ہو +

مسلمانانِ بمبئی نے جو تار مبارکباد فتح کے بھیجے تھے اُس کا جواب بھی سلطان نے براہ راست مسلمانان بمبئی کو نہیں بھیجا تھا بلکہ اپنے ایمبسڈر مقیم بمبئی کے پاس وہ جواب بھیجا تھا۔

ہم نے سنا ہے کہ مسلمانان شملہ نے بھی تار مبارکباد فتح کا سلطان کی خدمت میں بھیجا تھا۔ مگر چونکہ شملہ میں کوئی ایمبیسڈر سلطان کی طرف سے نہیں ہے اس واسطے سلطان نے اُس کا جواب اپنے ایمبیسڈر مقیم لنڈن کے پاس بھیجا۔ اور لنڈن کے ایمبسڈر نے اُس کا جواب مسلمانان شملہ کے پاس بھیجا۔ ہم کو ٹھیک معلوم نہیں ہے کہ یہ امر صحیح ہے یا نہیں لیکن قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ہوگا پس جبکہ سلطان نے ایسی احتیاط ہندوستان کے مسلمانوں کی مبارکباد کے جواب بھیجنے میں کی ہے تو ہم سمجھ نہیں سکتے کہ سلطان نے کوئی ایسی چٹھی براہ راست مسلمانان ہندوستان کے نام لکھی ہو۔ اور اپنے ایلچیوں کی معرفت براہ راست ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس بھیجیں۔ بالفرض اگر سلطان نے ایسا کیا ہو جو ہماری رائے میں ہرگز نہیں کیا ہوگا تو گورنمنٹ انڈیا کو ازروئے نیشنل لا کے اختیار کامل ہے کہ ایسے ایلچی کو ہندوستان میں نہ آنے دے اور جو چٹھی اُس کے پاس ہو اُس کو ضبط کرلے۔

مذکورہ بالا ٹیلیگرام میں لکھا ہے کہ اُس چٹھی میں خلیفہ کی نسبت تمام سچے مسلمانوں کے فرائض بیان کئے گئے ہیں۔ جب کہ ہندوستان کے مسلمان سلطان ٹرکی کی رعایا نہیں ہیں تو ہندوستان کے مسلمانوں کو خلیفہ کی نسبت کیا فرائض بیان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بجز اس کے کہ وہ جس سلطنت کی حکومت میں بطور رعایا کے رہتے ہیں اُس کے خیرخواہ اور وفادار رہیں اور کچھ فرض نہیں ہے۔

ایک اور فقرہ اس ٹیلیگرام میں مندرج ہے کہ "جو فرائض مسلمانوں کے بیان کئے گئے ہیں اُن میں نقصانات نقدی اور اخلاقی اور جسمانی بھی شامل ہیں" ہم تو اس فقرہ کا کچھ مطلب ہی نہیں سمجھ سکتے۔ اور اگر کچھ مطلب ہو تو وہ مصر اور عرب کے مسلمانوں سے متعلق ہوگا جو سلطان کی رعیت ہیں۔ مگر ہندوستان

کے مسلمانوں سے نہ متعلق ہو سکتا ہے۔ اور نہ اُس کے کچھ معنی سمجھ میں آسکتے ہیں ✣
ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تہنیت نامے مصر اور عرب سے اس فتح کی بابت سلطان کی خدمت میں آئے ہیں۔ شاید ان کے جواب میں کوئی چھٹی سلطان نے لکھی ہو۔ مگر ٹیلیگرام بھیجنے والے نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جو مبارکبادی بھیجی ہے اُس کے جواب میں وہ چھٹی ہے ✣

سلطان نے جو یونانیوں پر فتح پائی۔ اُس سے کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا۔ جس کا دل خوش نہ ہوا ہو۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ سلطان کی اس فتح سے ہمارا دل بھی نہایت خوش ہوا ہے۔ لیکن جو کچھ ہندوستان کے مسلمانوں نے کیا۔ بلا اجازت اور مرضی گورنمنٹ کے ہم اُس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ گو گورنمنٹ نے اس پر کچھ اعتنا نہیں کیا۔ مگر جن مسلمانوں کو ایسا کرنا تھا ہمارے نزدیک ضرور تھا کہ اولاً گورنمنٹ سے اس کی اجازت حاصل کرتے اور اُس کے بعد جو کچھ ان کو کرنا تھا کرتے۔ ہم ہرگز اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ایسے پولیٹکل امور میں جو دوسری سلطنتوں سے متعلق ہیں بلا اجازت اور مرضی گورنمنٹ ہندوستان کے مسلمانان ہندوستان کوئی کارروائی کریں۔ کیونکہ ہمارا قانونی اور مذہبی فرض یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اپنی گورنمنٹ کے وفادار اور اس کی مرضی اور پالیسی کے تابع رہیں۔ اور یہ بات تو کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ دکن کے ہندوؤں نے کس خیال سے سلطان کو اس فتح کی بابت مبارکبادی بھیجی۔ کیا وہ بھی اُن فرائض میں داخل ہونا چاہتے ہیں جو سلطان مسلمانوں کی نسبت قرار دے ✣

آخر کو ہم پھر بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا ٹیلیگرام یا تو غلط ہے یا اُس میں مسلمانان ہندوستان کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے ✣

جب کہ ترکوں نے سباسٹپول کی لڑائی میں روسیوں پر فتح پائی تھی اُس وقت مسلمانان ہند نے کوئی علامت ایسی خوشی کی ظاہر نہیں کی تھی جیسے کہ یونانیوں پر فتح پانے پر ظاہر کی ہے ✣

سباسٹپول کی لڑائی میں خود انگریزی گورنمنٹ نے ترکوں کے لئے ہندوستان میں چندہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن اگر ہماری یاد میں کچھ غلطی نہ ہو تو اُس وقت

بھی ترکوں کے لئے کوئی معتد بہ چندہ ہندوستان میں نہیں ہؤا تھا *

پس یہ بات غور کرنے کی ہے کہ یونان پر فتح پانے میں ہندوستان کے مسلمانوں نے کیوں ایسی گرمجوشی ظاہر کی ہے * ---

ہماری رائے میں اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ یورپ کے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہؤا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کوئی بہت بڑا تعلق سلطان ٹرکی سے نہیں ہے۔ پس مسلمانان ہندوستان نے عملی کارروائی سے ظاہر کیا کہ اُن کو سلطان ٹرکی سے جو حرمین شریفین کا محافظ ہے خاص قسم کا تعلق ہے۔ قطع نظر اس سے کہ سلطان مذہبی خلیفہ ہے یا نہیں اور مسلمانوں کو اُس کے احکام کا تسلیم کرنا لازم ہے یا نہیں *

دوسرے یہ کہ مسٹر گلیڈسٹون اور دیگر ریڈیکل ممبران پارلیمنٹ نے نہایت سخت اور محض بیجا اور ناواجب زبان درازی سلطان ٹرکی اور ترکوں کی نسبت کی تھی۔ جس سے مسلمانان ہند کے دل نہایت رنجیدہ تھے۔ جبکہ ترکوں کو یونانیوں پر فتح ہوئی تو جس قدر اُس زبان درازی سے مسلمانوں کو رنج ہؤا تھا اسی قدر اُن کو خوشی کرنے کا موقع ملا۔ مگر اس خوشی کو کسی پولیٹکل امور پر محمول کرنا ہماری رائے میں بیجا ہے۔ اور اس سے زیادہ اور کوئی امر ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا *

ترکوں کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی ہمدردی

اگر کوئی شخص ہمارے دوست کی جان بچائے یا مصیبت کے وقت اس کے ساتھ ہمدردی کرے تو ہم کو اُس کا شکر کرنا لازم ہے یا نہیں ؟

سب سے بڑا سخت وقت ترکوں پر وہ تھا جب کہ ۱۸۵۵ء میں روس نے ترکوں سے لڑائی شروع کی جو جنگ کریمیا کے نام سے مشہور ہے اُس وقت دو سلطنتیں یعنی انگلستان اور فرانس نے ترکوں کے ساتھ ہمدردی کی ۔ اور فوج سے روپیہ سے ۔ ترکوں کی مدد کی ۔ اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر انگلستان اور فرانس اُس زمانہ میں ترکوں کی مدد نہ کرتے تو سلطنت ٹرکی کا یقینی خاتمہ ہو جاتا ۔ پس اب سوال یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو ترکوں کے ساتھ ہمدردی ہے تو کریمیا جنگ کے فتح ہونے کے بعد کس وجہ سے مسلمانوں نے گورنمنٹ انگریزی اور گورنمنٹ فرانس کا شکریہ ادا نہیں کیا ۔ اور اُن کے لئے مساجد اور معابد میں کیوں نہیں دعا کی اور کیوں پیغام تار برقی شکریہ کے یا ایڈریس شکرگذاری کے انگلش اور فرنچ گورنمنٹ کے پاس نہیں بھیجے ۔

ایک انگریز کا قول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے احسان فراموش ہیں کہ جس زمانہ میں انگریزوں نے جان و مال سے ترکوں کی مدد کی تھی اسی کے قریب یعنی ۱۸۵۷ء میں اُنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کے مقابلہ میں غدر کیا ۔ اگر درحقیقت ان کو ترکوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ۔ تو اس بہت بڑے احسان کو جو انگریزوں نے ترکوں کے ساتھ کیا تھا ہرگز فراموش

نہ کرتے اور انگریزوں اور انگریزوں کی حکومت کے مقابلہ میں بغاوت نہ کرتے ۔

ہم تو اس قول کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ ہمارے نزدیک ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ساتھ کسی کے دل میں بغاوت کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ بلکہ بقول ایک بڑے مورخ مسٹر" کے " کے وہ بغاوت نہیں تھی۔ صرف ایک سپاہی وار تھی۔ اور جو فسادات کہ اُس زمانہ میں ہوئے وہ بدعملی ہو جانے کے سبب سے ہوئے نہ اس وجہ سے کہ رعایا کو انگریزوں کے مقابل میں بغاوت کرنی مقصود تھی۔ مگر ہاں اس کا کچھ جواب نہیں ہے کہ اُس وقت کیوں ہندوستان کے مسلمانوں نے گورنمنٹ انگلستان اور گورنمنٹ فرانس کا شکریہ ادا نہیں کیا ۔

پھر ۱۸۷۷ء میں دوبارہ ترکوں اور روسیوں کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں عثمان پاشا غازی کی بہادری کے کارنامے ہندوستان کی ہر ایک گلی اور کوچے میں مشہور تھے۔ مگر بدبختی سے ترکوں کی شکست ہوئی ۔

اور ۱۸۷۸ء میں روسی پلونا اور درہ شبکا کو فتح کرتے ہوئے قسطنطنیہ کی دیواروں تک جا پہنچے۔ اُس وقت ترکوں کی سلطنت کے نیست و نابود ہو جانے میں کچھ باقی نہیں رہ تھا۔ مگر گورنمنٹ انگریزی اُن کی حمایت کو اُٹھی اور اپنے جنگی جہاز قسطنطنیہ کے سمندر میں بھیجدئے اور روس سے کہا کہ بس آگے قدم نہ بڑھائیں اور صرف انگلستان کے بیچ میں پڑنے سے برلن کا عہدنامہ تحریر ہوا۔ اور سلطنت ٹرکی جیسے کہ اس زمانہ میں ہے باقی رہی۔ اگر انگلستان ترکوں کی مدد نہ کرتا تو ترکوں کی سلطنت کا باقی رہنا محال تھا ۔

پس اب سوال یہ ہے کہ ایسی ہمدردی جو انگلستان کی طرف سے ترکوں کی نسبت ظاہر ہوئی ہندوستان کے مسلمانوں نے اُس کا شکریہ کیوں نہیں ادا کیا ۔

اوہم پاشا نے یونانیوں کی حال کی لڑائی میں اُس سے زیادہ بہادری اور دلاوری نہیں دکھائی جس قدر کہ عثمان پاشا نے پلونا میں دکھائی تھی۔ پس کس وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں نے اوہم پاشا کا بہت شکر کیا۔

اور عثمان پاشا کی نسبت کچھ نہیں کیا۔ ہمارے پاس اس کا کچھ جواب نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جو کچھ اس وقت مسلمانوں نے کیا وہ صرف اُن کی ایک خفیف الحرکتی تھی اور ایک کے دیکھا دیکھی اوروں نے بھی وہی کیا جو انہوں نے کیا تھا ؞

جو لوگ اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو یونان کی فتح پر اس قدر خوشی منائی۔ وہ کسی پولیٹیکل امر پر مبنی تھی۔ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور بجز خفیف الحرکتی کے اور کوئی امر نہیں ہے۔ سلطان کو خلیفہ ماننا اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جس طرح کہ بنی امیہ اور بنی عباس کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو سلطان ٹرکی کے احکام کو مثل احکام پوپ کے واجب التعمیل سمجھتا ہو یا مثل احکام خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے جانتا ہو۔ پس کسی طرح پر خیال نہیں ہو سکتا۔ کہ اُن کا خوشی منانا اور مبارکباد کے تار بھیجنا کسی پولیٹکل امر پر مبنی ہو۔ گو کہ ہمارے نزدیک اُن کا ایسا کرنا بھی بلا اجازت گورنمنٹ کے جس کے کہ وہ رعیت ہیں ہرگز مناسب نہیں تھا ؞

اس وقت سلطان نے تھسلی کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے معاملہ میں۔ تمام یورپ کی سلطنتوں کی راے کو نہیں مانا۔ ہم بھی نہیں چاہتے کہ سلطان تھسلی سے اپنا قبضہ اُٹھالے۔ مگر معلوم نہیں کہ اس انکار کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اور کون سلطنتیں سلطان کی دوست اور کون سلطنتیں اس کی مخالف ہو جائینگی۔ یا کوئی متوسط امر سب سلطنتوں کی صلاح سے قرار پائیگا۔ لیکن یہ باتیں پولیٹیکل معاملات سے علاقہ رکھتی ہیں۔ ان کو مذہبی لباس پہنانا ہمارے نزدیک بالکل ناواجب ہے۔ کیونکہ ہر ایک سلطنت اپنی پولیٹیکل مصلحت کو قائم رکھنا چاہتی ہے۔ خواہ وہ مصلحت ترکوں کے مقابلہ میں ہو۔ خواہ روس۔ جرمنی اور اٹلی کے مقابلہ میں۔ اور کبھی کوئی سلطنت اپنی پولیٹکل مصلحت کو فروگذاشت نہیں کرتی۔ ہاں جو سلطنتیں کہ ضعیف ہیں اُن کی پولیٹیکل مصلحت یہی ہوتی ہے کہ جو سلطنت قوی ہے اُس کی راے کو تسلیم کریں۔ کیونکہ اس میں وہ اپنی بھلائی تصور کرتی ہے۔ اور قوی سلطنت سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتی۔ اس زمانہ میں تمام معرکہ آرائیاں اسی بنا پر ہوتی ہیں نہ کسی مذہبی بنا پر ؞

استجابت دعا کی نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف اشارہ

(مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ اور وہ فرقہ جس کو وہ نیچری کہتے ہیں)

مرزا صاحب نے جو اشتہار ۲۵ - جون ۱۸۹۶ء کو جاری کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے "کہ ایک فرقہ نیچریہ مسلمانوں کی گردش ایام سے پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ قبولیت دعا سے منکر ہیں" ‬

ہم جناب مرزا صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ یہ خیال آپ کا صحیح نہیں ہے جس کو آپ نیچریہ فرقہ بتاتے ہیں۔ وہ تو ہر ایک شخص کی دعا کے قبول ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور وہ یقین کرتا ہے۔ کہ خدا مستجاب الدعوات ہے۔ اور ہر ایک بندہ کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ مگر دعا کے قبول ہونے کا مطلب وہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر مسئول عنہ مقدر میں ہے۔ تو ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کا ہونا مقدر میں نہیں ہے۔ تو خدا دعا قبول کر کے دعا مانگنے والے کو ثواب آخرت دیتا ہے مگر کسی کی دعا کو وہ رد نہیں کرتا۔ پس ان کے عقیدہ کے موافق ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے۔ کسی کی دعا رد نہیں ہوتی۔ آپ کا یہ لکھنا۔ کہ یہ لوگ قبولیت دعا کے منکر ہیں۔ اس لائق ہے کہ اس پر کسی وقت خاص میں آپ دوبارہ غور فرما دینگے ‬

ہندوستان اور انگلش گورنمنٹ

اور آخر کار جو ہونا تھا وہ ہُوا۔ اور جو ہونا ہے وہ ہوگا۔ ایک عظیم مصیبت ہندوستان پر غدر ۱۸۵۷ء کی گذر چکی تھی۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں تعلیم کی کمی تھی اور ہندوستانی نہیں سمجھتے تھے کہ گورنمنٹ جس کی ہم رعیّت ہیں ہم پر اس کا کیا حق ہے اور ہمارا اس کے ساتھ کیا فرض ہے اور تعلیم کی کمی سے آپس میں حاکم و محکوم میں ارتباط بھی کم تھا ❊

اسی زمانہ کے قریب ہندوستان میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ جن کا مقصود ہندوستانیوں کو انگلش ایجوکیشن میں اعلےٰ درجہ تک تعلیم دینا تھا بہت سے مدبران ملک ہندوستانیوں کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم دینی پسند کرتے تھے اور کچھ ناپسند کرتے تھے۔ اور گورنمنٹ کا فرض قرار دیتے تھے۔ مگر اس بات پر کسی کا خیال نہ تھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا ہونا بھی لازم ہے۔ کیونکہ صرف تعلیم سے آدمی آدمی نہیں بنتا۔ اور اس کے اخلاق درست نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک مُنہ زور گھوڑے کی مانند ہو جاتا ہے۔ جو سوار کے قابو میں نہیں رہتا تعلیم کا درخت جو ہندوستان میں بویا گیا وہ بنگال میں اور جنوبی ہندوستان میں بڑا ہوا۔ بخوبی پھلا اور پھولا اور بارآور ہُوا۔ مگر آخر کار بار خاطر ہُوا۔ نہ یار شاطر اپر انڈیا کے باشندوں نے عام طور پر اور تمام ہندوستان میں مسلمان قوم نے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا۔ مسلمانوں نے اب اس سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا ہے معلوم نہیں کہ پھل لانے یعنی اعلےٰ تعلیم تک پہنچنے کے بعد وہ بھی بار خاطر ہونگے یا یار شاطر۔ مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اگر اشرف خاندان کے مسلمانوں کے لڑکوں کو اعلےٰ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوئی اور درستی اخلاق کا بھی سبق پڑھا گیا۔ اور ان کی عمدہ سوسائٹی بن گئی جو درستی اخلاق کے

لئے نہایت ضرور ہے۔ تو اعلےٰ تعلیم تک پہنچنے پر وہ بار خاطر نہ ہونگے بلکہ یار شاطر ہونگے۔ بہرحال اس وقت جو تعلیم ہندو بنگالیوں کو بمبئی کے پارسیوں کو بمبئی و پونا کے برہمنوں اور مرہٹوں کو دی گئی اور جس کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم کہا جاتا ہے اس سے ہندوستان کے حق میں کوئی اچھا پھل ہاتھ نہیں لگا۔ پہلے تو اُنہوں نے اپنے تئیں اعلےٰ درجہ کا تعلیم یافتہ اور اعلےٰ درجہ کا اسٹیٹسمین یعنی مدبر امور سلطنت سمجھ لیا۔ پھر اس بات کے درپے ہوئے کہ انگلش گورنمنٹ جس طرح یورپ میں حکومت کرتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں حکومت کرے اور گورے کالے اور فاتح مفتوح میں کچھ فرق نہ سمجھے۔ پھر انہوں نے اس تعلیم سے ایک لفظ آزادی کا سیکھا۔ اور اس کے معنی یہ سمجھے کہ جو کچھ مُنہ میں آوے یا خیال میں گذرے بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ موقع ہے یا بے موقع اس کی تائید کے لئے کافی دلیلیں ہیں یا نہیں۔ اس سب کو کہنا اور چھاپنا اور تمام ہندوستان میں شائع کرنا ہے*

پھر اُنہوں نے ایک لفظ ایجی ٹیشن کا سیکھا اور کہا کہ دیکھو آئرلینڈ والے کیسا ایجی ٹیشن گورنمنٹ کی تجویزوں پر کرتے ہیں۔ انجمنیں اور سوسائٹیاں ایجی ٹیشن کے لئے بناتے ہیں اور اسپیچوں اور تحریروں میں جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں*

پھر ان کے خیال میں گذرا کہ انگریزی گورنمنٹ اسی قسم کی گورنمنٹ ہے۔ کہ وہ عام ایجی ٹیشن سے ڈرتی ہے اور جب تک ایجی ٹیشن نہ کیا جاوے۔ اُس وقت تک کوئی مطلب انگلش گورنمنٹ سے حاصل نہیں ہو سکتا*

پھر وہ سمجھے کہ ایجی ٹیشن جب تک عام نہ ہو۔ اور عام رعایا یا ملک کے باشندے ایجی ٹیشن پر متفق نہ ہوں۔ اُس وقت تک نہ ایجی ٹیشن ہو سکتا ہے اور نہ مفید ہوتا ہے انہوں نے ایجی ٹیشن کے عام کرنے پر کوشش شروع کی*

جب تک کہ گورنمنٹ کی برائیاں صحیح یا غلط واجب یا ناواجب عام لوگوں میں نہ پھیلائی جاویں۔ اس وقت تک بمقابلہ گورنمنٹ کے عام ایجی ٹیشن کی بنیاد قائم ہی نہیں ہو سکتی۔ اس خیال پر نیشنل کانگرس کا وجود ہوا۔ اور اس نے گورنمنٹ

کی نسبت جہاں تک ہوسکا برائیوں کو تمام ہندوستان میں پھیلایا۔ اور جن باتوں پر اس سے پہلے لوگوں کو خیال بھی نہ تھا۔ ان کو ایک بُرائی کے پیرایہ میں بیان کرکر لوگوں کو چونکنا کردیا۔ اور برٹش گورنمنٹ کی صورت کو ایک خودغرض گورنمنٹ اور ہندوستان کو لوٹنے والی گورنمنٹ بناکر لوگوں کو دکھایا۔ اور اپنے گروہ کو ایک تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ قرار دیا۔ جن کی پیروی ان تمام لوگوں نے اختیار کی جو کالجوں سے تعلیم پاچکے تھے۔ اور جو تعلیم پارہے تھے۔ یہاں تک کہ اسکول کے لڑکوں نے جو اے۔ بی۔ سی۔ ڈی کا تلفظ بھی بخوبی ادا نہیں کرسکتے تھے انکی پیروی کرنا اور تعلیم یافتہ گروہ میں شامل ہونا اپنا فخر سمجھا۔

ہم ہرگز اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ایجی ٹیشن کرنے والوں کا جو گروہ ہے اس کی نیت گورنمنٹ سے بغاوت کرنا یا لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ مگر جو کچھ انہوں نے کیا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اس سے عام ناراضی کا گورنمنٹ سے پھیلانا لازم اور ضروری ہے۔ اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ ناراضی اکثر بلکہ عموماً ناواجب اور محض بےجا ہے۔ اور اس سے ازخود باغیانہ خیالات لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بیشک یہ ناراضی پھیلانے والے اپنے تئیں خیرخواہ اور وفادار گورنمنٹ کا کہتے ہیں۔ اور غالباً سچ بھی ہو۔ مگر جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے عام رعایا میں ناراضی اور گورنمنٹ سے برخلافی پیدا ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی باہمی بات چیت میں جو گورنمنٹ سے متعلق ہے ٹرن بدلی ہوئی ہے۔ تمام یا قریباً تمام اخباروں کی وہ اردو زبان کے ہوں یا ہندی کے یا مرہٹی زبان کے ہوں یا گجراتی کے یا انگریزی زبان کے ہوں جو ہندوستانیوں کی جانب سے جاری ہیں تو بدلی ہوئی ہے۔ اور اس بات سے کہ انہی وجوہات سے بہ نسبت سابق کے عام لوگوں کے دلوں میں گورنمنٹ سے ناراضی پھیل گئی ہے۔ کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

مسلمان سوائے بعض کے ابتک نیشنل کانگرس میں اور اس کے ایجی ٹیشن میں شامل نہیں ہوئے ہیں۔ اور جو شامل ہوئے ہیں۔ انہوں نے نہیں سمجھا کہ اس سے قوم کو اور ملک کو کیا نقصان پہنچا ہے۔ اور آئندہ پہنچیگا۔

جو لوگ کہ ایجی ٹیشن کی مخالفت کرتے ہیں اُن کی نسبت ایجی ٹیشن کرنیوالے کہتے ہیں کہ وہ گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں۔ ان کا جو دل چاہے کہیں۔ مگر ایجی ٹیشن سے مخالفت کرنے والے اپنے دلی یقین سے یہ سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ اگر ان ایجی ٹیشن کہنے والوں کی درخواستیں منظور کرلے (حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے) تو ہندوستان کے انتظام اور اس کے امن امان میں خلل عظیم واقع ہوگا۔ اور اسی یقین پر وہ انکی مخالفت کرتے ہیں نہ گورنمنٹ کی خوشامد سے *

اگرچہ مسلمان نیشنل کانگرس کے ایجی ٹیشن میں شریک نہیں ہوئے لیکن اکثر ان اخباروں نے بھی سوائے بعض کے جو مسلمان ایڈیٹروں کے ہاتھ میں ہیں اور اخبارو کی دیکھا دیکھی اپنے جامہ سے قدم باہر رکھ دیا ہے۔ اور مضامین کی تحریریں ان کے قلم میں بھی کوئی روک نہیں رہی۔ جو نہایت افسوس کے قابل ہے۔ مگر اُن کو سمجھ لینا چاہئیے کہ اگر بالفرض ہندوستان کے تمام ہندو اور مسلمان نیشنل کانگرس کے ساتھ ایجی ٹیشن میں شریک ہو جاویں اور تمام اخبار ہندو اور مسلمانوں کے مضامین خلاف واقع اور برخلاف گورنمنٹ لکھنے پر متفق ہو جاویں تو بھی گورنمنٹ کا کچھ نقصان نہیں ہونے کا۔ ہاں بمجبوری گورنمنٹ کو دائرہ آزادی کو جو اس وقت ہے زیادہ تنگ کرنا پڑیگا۔ اور بمجبوری اس کو ہندوستانی اخباروں کی آزادی چھین لینے پر قانون بنانا ہوگا۔ اور یہ گورنمنٹ کا کچھ قصور نہیں ہوگا۔ جو کچھ گورنمنٹ کریگی وہ ہندوستانیوں ہی کی بداعمالی کی سزا ہوگی *

کون کہہ سکتا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو گورنمنٹ نے تمام ہندوستان سے ہتھیار چھین لئے اور بغیر لیسنس کے کسی کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں دی۔ اس میں گورنمنٹ کا کچھ قصور ہی نہیں بلکہ یہ ہندوستانیوں کے اعمال کی سزا ہے جو انہوں نے غدر ۱۸۵۷ء میں کئے تھے۔ ہر ایک انصاف کرنے والا سمجھتا ہوگا کہ ہندوستانیوں نے اپنی بداعمالی ایسے درجہ کو پہنچا دی تھی کہ گورنمنٹ کو بمجبوری قانون اسلحہ کا جاری کرنا پڑا تھا *

جن لوگوں نے اس زمانہ میں ترکی فتحیابی ہندوستان میں متعدد جلسے کئے اور سلطان کو مبارکبادی کے تار اور ایڈریس بھیجے وہ خود سمجھتے ہونگے۔ کہ اس

خفیف الحرکتی سے کیا نتیجہ ہے۔ یورپ کی سلطنتوں کی پالیسی ٹرکی کی نسبت جو ہوئی ہے وہ تبدیل نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان کے مسلمان سلطان ٹرکی کی کیا مدد کرسکتے ہیں۔ اور اس خوشی منانے سے سلطان کو کیا فائدہ ہوُا۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو جنہوں نے یہ خوشی منائی کیا نتیجہ حاصل ہوُا۔ بجز اس کے کہ چند حمقا اور جاہلوں نے یہ سمجھا کہ سلطان ٹرکی کی فتحیابی پر خوشی منانے والے نہایت پکے مسلمان ہیں جو سلطان کی فتحیابی پر خوشی مناتے ہیں۔ اور خوشی منانے والوں نے اپنی بزرگی اور تقدس کو احمقوں اور جاہلوں کے نزدیک ثابت کرنا چاہا +

ہم جب ان کو بڑا دیندار سمجھتے کہ وہ روس کی رعیت ہوتے اور سلطان ٹرکی کی فتحیابی پر اس طرح پر جشن مناتے اور خوشیاں کرتے۔ معلوم نہیں کہ کتنے آدمی پھانسی پاتے اور کتنے گولی سے مارے جاتے اور کتنے سائبیریا بھیجے جاتے غالباً گورنمنٹ نے بھی اس کو ناپسند کیا ہوگا۔ مگر یہ انگلش گورنمنٹ ہی کا رحم ہے جس نے ان باتوں پر کچھ مواخذہ نہیں کیا +

تمام ہندوستان کے باشندوں کی اور بالتخصیص مسلمانوں کی خیر و عافیت اسی میں ہے کہ سیدھی طرح انگلش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگی بسر کریں اور خوب سمجھ لیں کہ مذہب اسلام کی یہی ہدایت ہے کہ جن کی ہم رعیت ہو کر اور مستامن ہو کر رہتے ہیں ان کے ساتھ وفادار رہیں اور ان کی بدخواہی نہ اپنے دل میں لادیں نہ بدخواہوں کے ساتھ شریک ہوں اُن کو اپنا دنیوی شہنشاہ اور خداوند تعالےٰ جلشانہ کو شہنشاہوں کا شہنشاہ اور اپنا مالک حقیقی سمجھتے رہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستاں میں لکھا ہے ؎

سزد گر بدورش بنازم چناں ... کہ سید بدوران نوشیرواں

جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خدا کا شکر فرماتے تھے کہ وہ سلطان عادل یعنی نوشیرواں کے عہد میں پیدا ہوئے۔ نوشیرواں آتش پرست بادشاہ تھا لیکن عادل تھا اسکے زمانہ میں پیدا ہونے پر اگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر کیا ہے تو ہم کو ایسے بادشاہ کی رعیت ہونے سے جس نے ہمارے مذہبی امور بجا لانے میں ہم کو کمال آزادی دے رکھی ہے کیوں نہ خدا کا شکر بجا لادیں اور اسی کی درازی عمر و دولت و اقبال کی کیوں نہ خدا سے دعا کریں +

یعنی سات زمینیں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن۔ یعنی اللہ وہ ہے۔ جس نے پیدا کیا۔ سات آسمانوں کو۔ اور زمینوں کو مثل اُن کے ٭

اس آیت میں یہ بحث ہے۔ کہ مثلھن سے زمین کو آسمانوں سے کس چیز میں مماثلت ہے ٭

ہمارا قول تو یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کو آسمانوں سے مماثلت فی الخلق مقصود ہے یعنی جس طرح خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ اُسی طرح سے اپنی قدرت کاملہ سے زمین کو پیدا کیا ہے ٭

اس آیت میں ارض مفرد آیا ہے بلکہ تمام قرآن مجید میں کسی جگہ ارض بصیغہ جمع یعنی ارضین نہیں آیا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب ارض پر کسی حیثیت سے جمع کا اطلاق نہیں ہوا۔ تو تعدد ارض نہیں پایا جاتا۔ والارض میں جو واو ہے اُس کا عطف سموات پر ہے۔ یعنی خلق الارض مثل خلق السموات بکمال قدرۃ وارادۃ۔ مگر علماے مفسرین نے یہ معنی اختیار نہیں کئے۔ انہوں نے مثل سے مماثلت فی العدد مراد لی ہے۔ اُن علماء کے بھی دو فرقے ہیں ٭

ایک فرقہ وہ ہے۔ جو زمین کو تو ایک ہی مانتا ہے۔ مگر اس مماثلت کو طبقات ارض کی مماثلت پر محدود رکھتا ہے۔ یعنی اُس کا مقصود یہ ہے۔ کہ جس طرح آسمان کے طبقے ہیں۔ اُسی طرح زمین کے بھی طبقے ہیں ٭

تفسیر کبیر میں کلبی کا قول لکھا ہے۔ کہ جس طرح آسمان کے اوپر آسمان پیدا کئے ہیں۔ اسی طرح زمین کے طبقے بھی پیدا کئے ہیں۔ ایک طبقہ تو اس کا خالص مٹی کا ہے۔ اور ایک طبقہ گیلی مٹی کا۔ اور ایک کھُلا ہوا طبقہ ہے جس پر دریا اور جنگل ہیں۔ اور ہم لوگ رہتے ہیں ٭

بعض عالموں نے خیال کیا ہے کہ اس آیت میں سبع سموات کا لفظ ہے اور ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ "سبع سموات طباقاً"۔ پس مثلھن سے زمین کے بھی سات طبقے قرار دینا ضرور ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے زمین کی سات اقلیموں کو زمین کے سات طبقے قرار دئے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ کچھ عجب نہیں کہ مثلھن سے سات اقلیمیں مراد ہوں مطابق سات آسمانوں کے جن میں سات ستارے ہیں ❊

بخاری کی اُن حدیثوں میں جو حضرت عائشہ رضہ اور سعید بن زید سے مروی ہیں کہ جو کسی کی بالشت بھر زمین غصب کریگا۔ اس کو خدا تعالےٰ قیامت میں سات زمینوں کا طوق پہناویگا۔ اور جو حدیث سالم کے باپ یعنی عبد اللہ ابن عمر سے بخاری میں مروی ہے کہ غصب کرنے والا کسی کی زمین کا قیامت میں ساتویں زمین تک دھسایا جاویگا ❊

ان حدیثوں میں علما نے سات زمینوں سے سات طبقے زمین کے مراد لئے ہیں۔ چنانچہ فتح الباری میں علامہ ابن حجر نے داؤدی کا قول نقل کیا ہے۔ کہ آسمان کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں۔ اور وہ طبقے بلا فصل ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اور جس عذاب کا ان حدیثوں میں ذکر ہے اگرچہ فتح الباری میں اس کی تصریح لکھی ہے۔ مگر ہم کو اس مقام پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ❊

غرضکہ قرآن مجید میں تو مماثلت کی کچھ تصریح نہیں ہے کہ زمین کو آسمانوں سے کس چیز میں مماثلت ہے۔ بلکہ جو کچھ اوپر بیان ہوا وہ صرف علما کی رائے اور اس کا اجتہاد ہے۔ جس میں ہم کو کوئی مقام عذر نہیں ہے ❊

امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ یہ تفسیریں ایسی ہیں۔ جن سے عقل انکار نہیں کرتی۔ اور اُن کے سوا جو اور تفسیریں مفسرین نے نقل کی ہیں۔ وہ ایسی ہیں جن کو عقل قبول نہیں کرتی ❊

پس بعض علماء نے جو بربناء بعض روائتوں کے مثلھن سے مماثلت فی العدد تصور کر کے یہ قرار دیا ہے کہ سات جداگانہ زمینیں ہیں ہم اس رائے کو اور اُن حدیثوں کو نہیں مانتے جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے ❊

ترمذی میں سورۃ الحدید کی تفسیر میں ایک بہت بڑی حدیث لکھی ہے اور سات زمین ہونے کے متعلق جو فقرہ اُس میں لکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ " رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا۔ کہ تمہارے نیچے کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ خدا و رسول جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ زمین ہے۔ پھر پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ خدا و رسول جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے نیچے ایک دوسری زمین ہے۔ اور ان دونو میں پانچ سو برس کے رستہ کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح سات زمینوں کو گنا۔ کہ ہر زمین میں پانسو برس کے رستہ کا فاصلہ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ قسم ہے۔ اُس شخص کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ایک رسی نیچے زمین تک لٹکاؤ تو خدا پر جا پہنچیگی۔ پھر آپ نے پڑھی۔ یہ آیت۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیٔ علیم ؛

خود ترمذی میں لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ کیونکہ حسن بصری رح نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور حسن بصری کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت نہیں ؛

میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ کہ حسن بصری روایتوں کے بیان کرنے میں تدلیس بہت کرتے تھے۔ یعنی اُس راوی کا نام لے دیتے تھے۔ جس سے اُنہوں نے حدیث نہیں سُنی۔ اس لئے جب کبھی وہ عن کے لفظ سے کسی صحابی سے حدیث بیان کرتے ہیں (جیسے کہ اس حدیث میں عن ابو ہریرہ کر کے بیان کیا ہے) تو محدثین کے نزدیک اُس حدیث سے استدلال کرنا۔ نہایت ضعیف ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب وہ ایسے شخص سے روایت کریں جس کی نسبت محدثین نے تصریح کر دی ہے۔ کہ حسن بصری نے اُس سے حدیث نہیں سنی۔ اور انہیں میں سے ایک ابو ہریرہ ہیں۔ تو اُن کی روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو راوی تدلیس کرتا ہو۔ اُس کی مُعنعن روایت مقبول اور قابل احتجاج نہیں ہے۔ پس یہ حدیث خود محدثین کے اصول کے مطابق قابل اعتبار نہیں ہے ؛

اور مسند امام احمد بن حنبل میں بھی حدیث باختلاف الفاظ قلیل آئی

ہے۔ اُس میں بھی حسن بصری نے بالفاظ عن ابی ہریرہ روایت کی ہے۔ اور اس لئے یہ بھی مثل حدیث ترمذی کے قابل سند کے نہیں ہے ✤

ایک حدیث مستدرک حاکم میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے "ایک زمین سے دوسری زمین تک جو اس کے متصل ہے پانچ سو برس کا راستہ ہے ✤

اوپر والی زمین ایک مچھلی کی پشت پر ہے۔ جس کے دونو کنارے آسمان دنیا سے ملتے ہیں۔ مچھلی ایک پتھر کی چٹان پر ہے۔ پتھر کی چٹان ایک فرشتہ کے ہاتھ پر ہے۔ دوسری زمین وہ ہے۔ جہاں ہوا بند رہتی ہے۔ جب خدا نے قوم عاد کو ہلاک کرنا چاہا۔ تو ہوا کے موکل کو حکم دیا۔ کہ ان پر ہوا بھیجے۔ جس سے وہ ہلاک ہو جائیں۔ موکل نے پوچھا۔ کہ میں اتنی ہوا بھیجوں جتنی کہ بیل کے نتھنے میں سے نکل سکتی ہے۔ خدا نے فرمایا۔ نہیں کیونکہ زمین اور اس کے رہنے والے سب ہلاک ہو جائینگے۔ تو ان پر اتنی ہوا بھیج دے۔ جتنی کہ انگوٹھی کے حلقے میں سے نکل سکتی ہے۔ اسی کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے۔ کہ وہ ہوا جہاں سے گذرتی تھی بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا کئے بغیر نہیں چھوڑتی تھی۔ تیسری زمین وہ ہے۔ جہاں دوزخ کے پتھر ہیں۔ چوتھی زمین وہ ہے جہاں دوزخ کی گندھک ہے۔ لوگوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دوزخ میں گندھک بھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ دوزخ میں گندھک کے دریا ہیں۔ کہ اگر سنگلاخ پہاڑوں پر چھوڑ دئے جاویں۔ تو وہ پگل کر رہ جاویں۔ پانچویں زمین وہ ہے۔ جہاں دوزخ کے سانپ ہیں۔ جن کے مُنہ دریا کی وادی کی طرح فراخ ہیں۔ وہ کافروں کو ڈسینگے۔ اور اُن کی ہڈی پر گوشت نہ چھوڑینگے۔ چھٹی زمین وہ ہے جہاں دوزخ کے بچھو ہیں۔ جن میں سے ادنے بچھو خچروں کے برابر ہیں۔ وہ کافروں کے بدن پر ڈنگ مارینگے۔ جس کی تکلیف سے وہ دوزخ کی آنچ کی تکلیف بھول جائینگے۔ ساتویں زمین کا نام سقر ہے جہاں شیطان لوہے کے زنجیروں میں قید ہے۔ ایک ہاتھ آگے اور ایک ہاتھ پیچھے۔ جب خدا اپنے بندوں میں سے کسی پر اسکو بھیجنا چاہتا ہے۔ تو اس کو چھوڑ دیتا ہے ✤

مستدرک حاکم ہمارے پاس موجود نہیں ہے - یہ حدیث ہم نے منتخب کنز العمال سے نقل کی ہے - اس کے آخر میں لکھا ہے - و تعقب عن ابن عمر یعنی اُس روایت کو عبد اللہ بن عمر سے بھی بیان کیا ہے - لیکن مستدرک میں حاکم نے پہلی دفعہ اس حدیث کو جس طریقہ سے بیان کیا ہے - اُس کے اخیر راوی کا نام نہیں لیا - پس اس کے راوی دو نو طریقہ سے کوئی ہوں - ہم کو معلوم نہیں ہیں اور اس لئے اس حدیث کے سلسلہ روایت پر کوئی بحث روایتاً نہیں ہو سکتی درایتاً ہم اس روایت پر عنقریب بحث کرینگے ؂

یہاں تک تو ہم نے ان حدیثوں کی نا معتبری بلحاظ راویوں کے بیان کی ہے - لیکن ہمارے نزدیک اور علمائے محققین کے نزدیک بھی - سب سے بڑا اصول حدیثوں کے معتبر یا نا معتبر قرار دینے کا - درایت ہے - جس سے نفس حدیث کے مضمون پر جانچ کی جاتی ہے - اگر مضمون حدیث کا ایسا ہو جس کی صحت تسلیم نہ ہو سکے - تو بلا لحاظ اس بات کے کہ اُس کے راوی معتبر ہیں یا نا معتبر وہ حدیث نا معتبر قرار پاویگی - مثلاً کوئی حدیث ایسی ہو جس میں تاریخ مشہور کے خلاف کوئی بات بیان کی گئی ہو - یا یہ کہ جو کچھ حدیث میں بیان کیا گیا ہے - وہ مخالف مقتضائے عقل ہو - یا ایسا امر بیان کیا گیا ہو - جس کو حس اور مشاہدہ غلط قرار دیتا ہو - یا خود حدیث کے الفاظ یا اُس کے معنوں میں رکاکت اور سخافت ہو تو ایسی حدیثیں باعتبار درایت کے نا معتبر قرار دی جاویگی - چنانچہ یہ سب باتیں اور مثل اس کے اور بہت سی شاہ عبد العزیز صاحب عجالہ نافعہ میں اور امام سخاوی نے فتح المغیث میں اور سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھی ہیں ؂

اب اول تو اُن حدیثوں میں جو سات زمینوں کے ہونے کا بیان ہے وہ خود غلط ہے - اس لئے کہ سات زمینوں کا وجود دنیا میں نہیں ہے - اور علم ہیئت سے خواہ وہ قدیم ہو یا جدید زمین کے تلے اور متعدد زمینوں کا ہونا ثابت نہیں ؂ دوسرے اُن حدیثوں کے مضمون ایسے رکیک اور سخیف ہیں کہ کسی طرح جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے - کیا کوئی شخص اس مضمون کو جو ترمذی اور مسند امام احمد حنبل کی حدیث میں سخیف نہیں

قرار دیا۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھاکر کہا کہ اگر تم ایک رسی نیچے کی زمین تک لٹکاؤ تو خدا پر جا پہنچیگی"۔ علاوہ اس کے اُن حدیثوں میں اور بہت سی رکیک باتیں ہیں۔ جن کو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ زمین کے متعدد ہونے سے متعلق نہیں تھیں ٭

مستدرک حاکم میں جو حدیث ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ پہلی زمین ایک مچھلی کی پشت پر ہے۔ جس کے دونوں کنارے آسمان دنیا سے ملتے ہیں۔ اوّل تو یہی غلط ہے۔ کجا زمین کے کنارے اور کجا آسمان۔ اُن میں تو زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ پھر لکھا ہے۔ کہ مچھلی ایک پتھر پر ہے۔ اور پتھر فرشتہ کے ہاتھ پر ہے٭ دوسری زمین کی نسبت لکھا ہے۔ کہ اُس میں ہوا بند رہتی ہے۔ اور جب قوم عاد پر عذاب آیا تھا۔ تو فرشتہ نے پوچھا۔ کہ میں اُن پر اس قدر ہوا بھیجوں جس قدر بیل کی ناک میں سے نکل سکتی ہے۔ خدا نے کہا نہیں نہیں یہ تو بہت ہے اتنی بھیج جتنی کہ انگوٹھی کے حلقہ میں سے نکل سکے ٭

تیسری زمین میں دوزخ کے پتھر ہیں۔ اور چوتھی زمین میں گندھک کے دریا ہیں جو دوزخ میں ہونگے۔ پانچویں زمین میں دوزخ کے سانپ رہتے ہیں اور چھٹی زمین میں دوزخ کے بچھو رہتے ہیں۔ اور ساتویں زمین شیطان لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا قید ہے۔ ایک ہاتھ اُس کا آگے ہے۔ اور ایک ہاتھ پیچھے۔ ان سے زیادہ اور رکیک اور سخیف الفاظ اور معانی نہیں ہو سکتے۔ اور نہایت افسوس اور نہایت افسوس اُن لوگوں پر ہے۔ جو ایسے رکیک اور سخیف الفاظ کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَاِنَّا نَشْهَدُ بِاللّٰهِ اَنَّ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ٭

اصل یہ ہے کہ زمینوں کا متعدد ہونا۔ نہ عرب جاہلیت کے خیال میں تھا۔ نہ عیسائیوں اور یہودیوں کے۔ نہ آتش پرستوں کے اور نہ اُن سے پہلے کلدانی۔ عبرانی۔ لاطینی و یونانی قوموں میں تھا۔ شاید ہندوؤں میں ہو۔ مگر صرف قرآن کی اُس آیت سے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ اور اُس میں جو لفظ مِثْلَهُنَّ ہے۔ اُس پر یہ تمام حدیثیں وضع کی گئی ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ بَرِیٌّ عَنْ هٰذَا ٭

اور اُن حدیثوں سے بھی عجیب تر وہ روایت ہے جو علامہ ابن حجر نے اپنی
کتاب فتح الباری میں نقل کی ہے ۔ یہ روایت جس کی طرف ہم اشارہ کرینگے ۔ ابن جریر
نے باسناد شعبہ عن عمرو بن مرہ عن ابی ضحی ۔ عن ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں
جس پر ہم بحث کرتے ہیں مختصر طور پر بیان کی ہے ۔ اور حاکم اور امام بیہقی نے بسناد
عطا ابن السائب عن ابی ضحی بطوّل پر بیان کی ہے ۔ اس روایت کے اول الفاظ
یہ ہیں "ومن الارض مثلھن" اے سبع ارضین فی کل ارض آدم کادمکم
ونوح کنوحکم ۔ وابراھیم کابراھیمکم ۔ وعیسی کعیسٰکم
ونبی کنبیکم یعنی "من الارض مثلھن" کے الفاظ سے سات زمینیں مراد
ہیں ۔ ہر ایک زمین میں ایک آدم ہے ۔ جیسا کہ تمہارا آدم ہے ۔ اور نوح ہے جیسا کہ
تمہارا نوح ہے ۔ اور ابراہیم ہے جیسا کہ تمہارا ابراہیم ہے ۔ اور عیسٰے ہے جیسا کہ
تمہارا عیسٰے ہے ۔ اور نبی ہے جیسا کہ تمہارا نبی ہے ؀

اس روایت کو ابن عباس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب
نہیں کیا ۔ ابن جریر اور امام بیہقی اور حاکم کی تصنیفات اس وقت ہمارے پاس
موجود نہیں ہیں ۔ مگر فتح الباری میں جہاں اس روایت کے ابتدائی الفاظ
لکھے ہیں ۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم نے مجاہد کے واسطے سے خود
ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے ۔ اگر میں اس آیت
کی تفسیر تم سے بیان کروں ۔ تو تم کافر ہو جاؤ گے ۔ اور تمہارے کافر ہونے
کا سبب اس تفسیر کا جھٹلانا اور نہ ماننا ہوگا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے ۔ کہ
مثلھن کی یہ تفسیر تھی جو اُن کے دل میں تھی ۔ اور جس کو اُنھوں نے بیان کیا ۔
نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ۔ اور جبکہ یہ اثر ابن عباس کا ہے ۔ اور
حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم نہیں ہے تو اس پر احتجاج کرنا کچھ لازمی نہیں ہے ؀

اس اثر کی تائید قرآن مجید سے کسی طرح پر نہیں ہوتی ۔ کیونکہ تمام قرآن میں ارضین
کا لفظ بصیغہ جمع نہیں آیا ۔ اور اس آیت میں بھی مفرد کا لفظ ہے ۔ نہ جمع کا ۔ علاوہ
اس کے قرآن مجید کی کسی آیت سے نہیں پایا جاتا ۔ کہ خدا نے سات آدم پیدا کئے
تھے اور سات نوح اور سات ابراہیم ۔ اور سات عیسٰے ۔ اور سات نبی آخر الزمان ؀

پس صرف لفظ مثلھن سے سات زمینوں اور سات آدم اور سات ابراہیم اور سات عیسٰے اور سات نبی آخر الزمان کے ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ علاوہ اس کے یہ امر خلاف واقع بھی ہے۔ انہیں دلائل سے جو ہم نے حدیث ترمذی کی ذیل میں لکھی ہیں۔ اس روایت کے انکار کرنے سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا ٭

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ روایت شاذ ہے۔ اگر ہم فرض کرلیں کہ یہ روایت ایسی شاذ ہے۔ کہ حضرت ابن عباس تک اُس کی صحیح سند موجود ہے۔ تو بھی بجز اس کے کہ حضرت ابن عباس کے ذہن میں اس آیت کی تفسیر میں یہ امور تھے جو اُنھوں نے بیان کئے اور کچھ نہیں خیال کر سکتے۔ مگر جب کہ اُس کی تائید نہ قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ نہ وہ مطابق واقع معلوم ہوتی ہیں تو درایۃً بھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ غرضکہ سات زمینوں کا جداگانہ ہونا کسی طرح پر ثابت نہیں ہے ٭

مکاشفہ

گو ہم کو کشف و مکاشفہ نہ ہو۔ مگر ہم کو سمجھنا تو چاہئے۔ کہ یہ کیا چیز ہے؟ جاہل طب کو نہیں جانتا۔ مگر یہ جانتا ہے۔ کہ طب سے کیا ہوتا ہے۔ اور کیونکر ہوتا ہے پس اگر ہم بھی کشف و مکاشفہ سے جاہل ہیں۔ تو بھی ہم کو یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ وہ ہے کیا چیز؟ حضرات صوفیہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ روح اور جسم میں جو حجاب ہے اُس کے اُٹھ جانے کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ مگر حجاب کے لفظ نے ہم کو گھبرادیا کہ وہ پردہ کیسا ہے۔ جو روح اور جسم کے بیچ میں ہے۔ نہ وہ پردہ ٹاٹ کا ہوسکتا ہے نہ کپڑے کا۔ نہ لکڑی کا۔ پھر وہ پردہ کاہے کا ہے؟

قرآن مجید میں ایک جگہ غطاء کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی بھی حجاب کے ہیں۔ جہاں خدا نے فرمایا ہے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ ہم نے جب تفسیروں کو دیکھا تو اُن میں غطاء کے معنی غفلت کے لکھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو پردہ انسان کے جسم اور روح کے درمیان میں ہے۔ وہ غفلت کا پردہ ہے۔ اور اس غفلت کا دور ہونا۔ پردہ کا اُٹھ جانا ہے۔ پس انسان مشاغل دنیوی سے جو اُس پر پردۂ غفلت ڈال دیتے ہیں۔ علیحدہ ہوکر مبدء حقیقی یا ذات باری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اپنے خیال کو اسی طرف لگا لیتا ہے۔ تو غفلت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ پس مکاشفہ ایک حالت ہوئی۔ جو خود انسان کے خیال میں پیدا ہوتی ہے۔ پس جو کچھ کہ وہ اپنے نفس میں پاتا ہے۔ اور فرض کرو کہ وہ اس حالت میں کچھ دیکھتا بھی ہے تو بجز اس کے خیال کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اور اس لئے مکاشفہ کی حقیقت بجز اس کے جس کو کہ خود انسان نے اپنے خیال میں پکایا ہے اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ اور اسی حالت کو صوفیہ کرام نے مکاشفہ نظری سے تعبیر کیا ہے اور جب کہ اسی خیال کو اور زیادہ پکایا جاتا ہے۔ اور اُس کے تصور میں یہ خیال

جم جاتا ہے کہ میرا دل بھی نورانی ہوگیا ہے۔ تو اس حالت کو صوفیہ کرام مکاشفہ نوری سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بجز خیال انسانی کے۔ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے ؛

اور جب اس خیال کو اور زیادہ پکاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ تمام اسرار آفرینش پر اُس کا ذہن محیط ہوگیا ہے۔ تو اُسکو صوفیہ کرام نے مکاشفہ سرّی سے یا مکاشفہ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی بجز اُن کے خیال کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے ؛

اور جب کہ اُس خیال کو دل میں اور زیادہ پکایا۔ اور سمجھنے لگا۔ کہ دوزخ اور بہشت کا حال مجھ پر کھل گیا ہے۔ اور فرشتے مجھ کو دکھائی دیتے ہیں۔ اور بے انتہا عالم مجھ پر کھل گئے ہیں۔ تو اس حالت کو صوفیہ کرام نے مکاشفہ روحانی سے تعبیر کیا ہے۔ مگر وہ بھی بجز خیال انسانی کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے ؛

اور جب کہ وہ اس خیال کو اور زیادہ پکاتا ہے۔ تو یہ سمجھتا ہے۔ کہ میں صفات باری میں بھی بیٹھ گیا ہوں۔ تو صوفیہ کرام نے اس حالت کو مکاشفہ صفاتی سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی بجز اس کے خیال کے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے ؛

اگر یہ حالت انسان کی خدا کی صفت علمی میں بیٹھ جانے سے پیدا ہوئی ہو۔ تو اس کو علم لدنّی حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر خدا میں جو صفت سُننے کی ہے اُس میں وہ بیٹھ گیا ہو۔ تو وہ خدا کا کلام سُن سکتا ہے۔ جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام سنتے تھے۔ اور اگر وہ خدا کے بصیر ہونے کی صفت میں بیٹھ گیا ہے۔ تو اُس کو خدا کا دیدار ہونے لگتا ہے۔ اور اگر وہ خدا کے جلال کی صفت میں بیٹھ جاتا ہے تو اُس کو بقاء حقیقی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر خدا کی صفت وحدانیت میں بیٹھ جاتا ہے تو اُس کو وحدت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ خدا کی جس صفت میں بیٹھ جاتا ہے اُسی کے موافق حالت اُس پر طاری ہوتی ہے۔ جس کو وہ مکاشفہ سمجھتا ہے۔ مگر وہ بجز اُس کے خیال کے اور کوئی چیز نہیں ہے ؛

اب صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مکاشفہ ذاتی ایسی چیز ہے۔ جس کا بیان کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ پس ان بیانات سے اس قدر سمجھ میں آتا ہے کہ انسان جو کچھ اپنے خیال میں پکا لیتا ہے اُسی کا نام مکاشفہ ہے اور یہ حالتیں جو صوفیہ کرام نے

بیان کی ہیں ۔ سب خیال ہی خیال ہیں ۔ اور خیال کے سوا کچھ نہیں ۔ وللہ در من
قال التصوف هو ارجاع النفس الی امور خیالته والمداومة علیها۔
الی زمان حتی تتخیل الامور بخیاله کان هذا الامور موجودة
فی نفسه لا کن الموجود فی خیاله هو خیاله لا شیءٌ غیره هکذا
یترقی من خیال الی خیال اخر ویتصور شیءً اخر ولکنه لیس شیءٌ اخر۔
الا هو خیال نفسه فاذا ترقی هذا الخیال الی شیءٍ یتخیل انه هو الله
لو شان من شیونه والان یتخیل انه رفع نفسه الی اعلی الدرجة
وعرف الله حق معرفته والله بریءٌ عن هذا والحق انه لیس کمثله شیءٌ
وهو السمیع البصیر۔

واقعات عامۃ الوُرُود

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں جن کو اکثر ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ مگر جو لوگ کہ اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ وہ اور اُن کے معتقدین اس کو کرشمۂ ربّانی سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ اہل دنیا کہلاتے ہیں وہ اُن کو واقعات اتفاقی سمجھ کر کچھ خیال نہیں کرتے ✦

شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک اپنا واقع لکھا ہے۔ کہ ایک شخص اُن سے ملنے آیا۔ اور اُس وقت شاہ صاحب اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حلوا کھا رہے تھے۔ شاہ صاحب کے خادم نے اُس شخص کو بھی جو آیا تھا۔ حلوا دیا۔ اُس شخص کے دل میں یہ بات آئی۔ کہ اگر شاہ صاحب وہ حلوا مجھ کو دیدیں۔ جو اُن کے ہاتھ میں ہے۔ تو میں ضرور یقین کرونگا۔ کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور میں اُن سے خدا کی راہ سیکھونگا۔ شاہ صاحب کو بھی قرائن سے معلوم ہوُا۔ کہ اس شخص کے دل میں یہ بات گذری ہے۔ ان کو اپنی ولایت کا اظہار منظور نہ ہوُا۔ اور جو خیال کہ اُس شخص کے دل میں گذرا تھا۔ اور جس کو انھوں نے بھی جان لیا تھا۔ اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور جو حلوا کہ اُن کے ہاتھ میں تھا۔ اُس کو ایک لقمہ کر گئے ✦

اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے مجھ سے مواخذہ کیا۔ اور جو بے پروائی میں نے کی تھی۔ وہ میرے مُنہ پر ماری۔ میں نے اپنے اس فعل کی خدا سے معافی چاہی۔ اور استغفار کی۔ خدا نے مجھ کو معاف کردیا ✦

اس میں کچھ شک نہیں کہ جب شاہ صاحب نے قرائن سے اس شخص کے دل کی خواہش کو دریافت کرلیا تھا۔ اور اُس کو پورا نہ کیا۔ تو آخر کو ان کے دل میں اُس کا نہایت رنج و افسوس ہوا ہوگا۔ جس کو اس سبب سے کہ وہ اہل اللہ تھے۔ اُنھوں نے خدا کی طرف سے مواخذہ سمجھا۔ اور اس سے توبہ اور استغفار

کی۔ اگر کوئی اہل دنیا میں سے ہوتا۔ اور اُس کو بھی ایسی حالت میں رنج و افسوس ہوتا تو وہ اُس کو خدا کے مواخذہ سے تعبیر نہ کرتا ۔

ایک واقعہ ہم پر قریب قریب اس کے گذرا ہے۔ میں جب دہلی سے رُہتک جانے والا تھا۔ حضرت شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں رخصت کے لئے حاضر ہوا۔ اس وقت ایک عورت ایک نہایت تر و تازہ رنگترہ لائی۔ اور شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اُنہوں نے اُس کو لے کر رکھ لیا۔ میرے دل میں یہ بات آئی۔ کہ اگر شاہ صاحب یہ رنگترہ مجھ کو دیدیں تو میرے سفر کے لئے ایک فال نیک ہوگی۔ جب میں رخصت ہو کر جانے لگا۔ تو شاہ صاحب نے وہ رنگترہ اُٹھا کر مجھ کو دیا کہ آپ اس کو لیتے جائیے۔ میں چونکہ ایک دنیا دار تھا اور گو شاہ صاحب کی خدمت میں مجھ کو عقیدت تھی۔ اور رہے۔ مگر اُس کو ایک امر اتفاقی سمجھا۔ اور جو لوگ کہ مریدان خاص حضرت شاہ صاحب کے تھے اُنہوں نے اس امر کو خطرات قلب پر بطور مکاشفہ کے مطلع ہونا قرار دیا ۔

شاہ ولی اللہ صاحب اپنا دوسرا واقعہ لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ایک با وجاہت آدمی اُن سے ملنے کو آیا۔ اور وہ ایسا وقت تھا۔ کہ شاہ صاحب کو مناسب تھا۔ کہ اُس کو کھانے کے لئے اور اُس کو رات کو اپنے ہاں ٹھیرنے کے لئے کہتے۔ اور وہ شخص بھی یہی سمجھتا تھا۔ کہ میں اُن کے ہاں کھاؤنگا۔ اور اُنہیں کے ہاں رات کو رہونگا۔ شاہ صاحب کو یہ بھی خیال ہوا۔ کہ اگر میں اُس کو کھانا نہ کھلاؤں اور رات کو رہنے کو نہ کہوں۔ تو اس کی نہایت دل شکنی ہوگی۔ مگر اُنہوں نے اُس کی کچھ پروا نہیں کی ۔ نہ اُس کو کھانا کھلایا۔ نہ رہنے کے لئے کہا۔ جب وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ تو شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے خفگی ہوئی۔ اور کہا گیا کہ یہ ایک نادانی کا کام تھا ۔

شاہ صاحب کو بلاشبہ اس بات کا رنج ہوتا ہوگا۔ کہ اُس کو کیوں نہیں کھانا کھلایا اور کیوں نہیں رات کو رکھا۔ مگر اُس رنج کو چونکہ وہ اہل اللہ تھے۔ خدا کے عتاب سے منسوب کیا۔ اگر کوئی دنیا دار ہوتا۔ تو اس کا کچھ بھی خیال نہ کرتا ۔

مثل اس کے ایک واقعہ ہم پر بھی گذرا ہے۔ بنارس میں ایک نہایت مقدس

اور بزرگ شخص مجھ سے ملنے کو آئے۔ جب کہ میں انگلستان سے واپس آیا تھا۔ اور اُن بزرگ کا ارادہ تھا۔ کہ میرے ہاں رات کو رہیں۔ مگر کھانا دوسری جگہ کھائیں۔ مجھ کو یہ امر پسند نہ آیا۔ اور میں نے کہا کہ جہاں آپ کھانا کھائینگے۔ وہیں رات کو بھی رہیں۔ وہ بزرگ تھوڑی دیر مل کر چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد مجھ کو نہایت رنج و افسوس ہؤا۔ کہ میں نے یہ بات نہایت خلاف آدمیت اور خلاف مروّت اور خلاف اخلاق کی۔ مگر چونکہ میں دنیا دار تھا۔ اس لئے میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ خدا نے مجھ سے مواخذہ کیا ہے *

پس یہ عام واقعات ہیں۔ جو کم و بیش ہر ایک کو پیش آتے ہیں۔ اہل اللہ ان کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اہل دنیا اُن کو اتفاقی بات سمجھ کر ٹالدیتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

احادیث

جناب عالی!

ایک مدت دراز سے مذہب علماء و عام اسلامیاں کا اقوال امام ابوحنیفہؒ مالکؒ و شافعیؒ و احمد رحمہم اللہ تعالےٰ پر چلا آتا تھا۔ اور اہل علم اپنے اپنے آئمہ کی تائید کرتے۔ اور عمل قرآن و حدیث جو اصلی اسلام ہے مفقود تھا۔ چونکہ ہر کام وقت پر موقوف ہوتا ہے۔ مولنٰنا محمد اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے تا بمقدور بیخ کنی شرک و بدعت میں کوشش کر کے جو تمام ہندوستان و پنجاب میں جابجا پھیلا ہوا تھا۔ عمل قرآن و حدیث جاری کر دیا۔ اور جناب کو بھی بذریعہ اُسی خاندان عالی کے یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اور بعد میں عین مصیبت کے وقت جو امداد اہل حدیث کو جناب نے دی۔ وہ میرے نزدیک جناب کی نجات کے واسطے کافی ہوگی۔ مگر ایک بات تعجب اور حیرانی کی جو میرے دماغ کو چکر میں رکھتی ہے یہ ہے کہ جو آرٹیکل زبان و رفشاں سے تہذیب الاخلاق میں مشتہر ہوجاتے ہیں۔ وہ ایسے برخلاف حدیث کے ہوتے ہیں جن سے پرلے درجہ کی بے اعتباری حدیث کی پائی جاتی ہے۔ اور اکثر معتقدین جناب کے تاثیر مضامین حضور والا سے بروقت پیش کرنے حدیث کسی اہل علم کے اس قسم کی تحقیر و تخفیف و انکار کرتے ہیں کہ گویا اُن کے نزدیک ایک پوچ بات بیان کی گئی ہے۔ جب کسی انگریز مورخ کا تذکرہ تعریف بیان ہو تو بڑے ادب اور توجہ سے سُنا جاتا ہے۔ اور بعد میں اُس کی تعریف بھی ہوتی ہے۔ اب میں جناب میں بڑے ادب سے عرض کرتا ہوں کہ پیغمبر علیہ السلام کا یہی ادب ہے اور اس خیال سے سعادت اتباع سنن جو باعث تقرب الی اللہ ہی ہو سکتا ہے۔ اور عبادت مسنونہ کی ترک یا تخفیف کسی سلف خلف کا مذہب ہے۔ بلکہ اکابران اسلام۔ حسبنا کتاب اللہ و کتاب الرسول پر گئے ہیں۔ اور ہم کو تو آپ بھی اُن میں سے نظر آتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ بڑے بھاری

رکن اسلام کو آپ اکھاڑنا چاہتے ہیں۔ کیا اس عمر میں یادگار آپ کی اچھی ہے
کہ آپ ذرا توجہ سے غور فرماویں کہ ثقہ تو بوجہ اقوال علما کے رخصت ہوگئی۔ اور
حدیث یوں بذریعہ حضور لٹی گئی۔ اب جزیات اور مجمل کی بابت عبادات و خلاق
میں کیونکر عملدرآمد ہوگا۔ اور تخفیف کلام نبوی کی جواب دہی کس کے ذمہ ہوگی۔
اور بڑے بڑے محدثین نے کیوں خدمت تالیف حدیث کا عمل لغو کیا۔ اگر کوئی بات
میری جہالت سے گستاخی کی نکل گئی ہو۔ تو معاف فرماکر جواب سے سرفراز
فرماویں ؎

راقم بندہ میراں بخش از گجرات ۔ ۷۔ اگست ۱۸۹۷ء

جواب

مخدومی مکرمی شیخ میراں بخش صاحب!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۷۔ اگست ۱۸۹۷ء پہنچا۔ آپ کی عنایت اور مہربانی
کا ممنون ہوا۔ آپ نے جو شبہ ارقام فرمایا ہے وہ بلاشبہ ہر ایک مسلمان کے
دل میں گذرتا ہوگا۔ اور میں خوش ہوں کہ آپ کے دل میں بھی یہ شبہ گذرا۔ مگر ہر ایک
مسلمان دل سے یقین رکھتا ہے کہ اس کو خدا اور رسول کی اطاعت فرض ہے۔ اور
ہر ایک شخص سمجھتا ہے کہ خدا کی اطاعت تعمیل احکام قرآن مجید میں۔ اور رسول
کی اطاعت اس کے اقوال اور افعال کی پیروی ہے۔ جو حدیثوں میں پائی جاتی
ہیں منحصر ہے۔ قرآن مجید کو باللفظ خدا کا کلام ہونے اور واجب التعمیل
ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ پس قرآن مجید تو بموجب مذہب مسلمانوں کے
ایک امر مسلم ہے جس میں کچھ کلام نہیں ہوسکتا۔ باقی رہی حدیث۔ اس بات میں
تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ احادیث قریباً کل کے بالمعنی روایت ہوئی ہیں نہ
باللفظ یعنی ان کے الفاظ بعینہ وہ نہیں جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے۔ بلکہ جو کچھ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو۔ اُس مضمون کو راویوں
نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ پس احادیث میں دو امر کی تنقیح لازم آتی ہے
اول یہ کہ جو کچھ حدیث میں بیان ہوا ہے وہ درحقیقت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا تھا۔ دوم یہ کہ جو کہ الفاظ ان حدیثوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ اسی مضمون اور مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ؛

تیسری ایک اور بات بھی ہے کہ جو قصص اور حکایات یہودیوں اور عیسائیوں یا اوروں کے مشہور تھے۔ اور اُن کو راویوں نے خواہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یا اور کسی سے سُنا اور یہ سمجھ کر کہ یہ اصلی فرمودہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے یا نہیں۔ غرض کہ احادیث خواہ بخاری کی ہوں خواہ مسلم کی قرآن مجید کے برابر نہیں ہیں۔ اور اُن سے بجز ظن کے کوئی امر یقینی پیدا نہیں ہوتا۔ پس ہر ایک مسلمان کا کام ہے کہ جہاں تک اس سے ہو سکے احادیث کی سعی اور کوشش کریں۔ محدثین کے حالات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کے جمع کرنے میں بے انتہا کوشش کی ہے۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔ مگر سب کا دارومدار یہاں تک کہ بخاری اور مسلم کا بھی۔ راویوں کے معتمد اور غیر معتمد سمجھنے پر رہا ہے جس راوی کو انہوں نے معتبر سمجھا۔ اُس کی حدیث کو معتبر جانا اور جس راوی کو نامعتبر سمجھا اس کی حدیث کو معتبر نہ جانا۔ مگر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ صحیح بخاری ہو یا مؤطا امام مالک کی اُن میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تک تین۔ تین۔ چار چار راوی ہیں۔ اور حضرت امام مالک نے یا محمد اسمعیل بخاری نے اس راوی کے سوا جس نے وہ حدیث نقل کی۔ اوپر کے راویوں کو نہیں دیکھا تھا۔ پس اس بات پر یقین کرنا کہ تمام راوی معتمد تھے۔ اور نیز انہوں نے اس مضمون کے بیان کرنے میں کچھ غلطی نہیں کی نہایت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے اسماء رجال کی جو کتابیں ہیں وہ اور مشکلات پیدا کر دیتی ہیں۔ یعنی ایک کتاب میں ایک راوی کو معتبر لکھا ہے۔ اور دوسری کتاب میں اُسی راوی کو نامعتبر۔ پس ہم کو اس بات کے کہدینے سے کہ راوی اس کے معتبر ہیں کوئی طمانیت اور یقین نہیں ہو سکتا۔ حدیثوں کے جانچنے اور صحیح قرار دینے کے لئے ظاہرا یہی طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ جو اگلے محدثین نے اختیار کئے ہیں۔ مگر ایک اور

طریقہ بھی ان سب سے اسلم ہے جس کا نام درایت ہے۔ یعنی نفس حدیث پر غور کرنی اور سمجھنا کہ وہ شان نبوت کے مناسب ہے اور فی نفسہٖ صحیح بھی ہو سکتی ہے یا نہیں جامعین حدیث نے راویوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر زیادہ تر خیال کیا ہے۔ اور درایت پر بہت کم خیال کیا ہے۔ بلکہ نہیں کیا۔ پس اگر ہم درایت کو چھوڑ دیں۔ مثلاً بخاری و مسلم کی حدیثوں کو اس خیال سے کہ اس کے جمع کرنے والے نہایت بزرگ اور عالی درجہ تھے تسلیم کر لیں۔ اور بلا درایت کے مان لیں تو اُس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم بجائے ابو حنیفہ اور مالک اور شافعی اور حنبل رحمہم اللہ کے امام بخاری اور امام مسلم کی تقلید کرتے ہیں پس ہم کو اُن آئمہ کی تقلید میں کیا برائی تھی کہ ان کو چھوڑ کر امام بخاری اور امام مسلم کی تقلید کرنے لگے ہیں حدیث کا خصوصاً بخاری اور مسلم کی حدیثوں کا نہایت ادب کرتا ہوں مگر ان پر درایت سے کام لینے کو ضروری خیال کرتا ہوں ؛

جو لوگ ایک ادنے حدیث کی بھی تحقیر کرتے ہیں۔ میں اُن کو نہایت نالائق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حدیث رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہو حدیث کی تحقیر کرنا دوسری چیز ہے۔ اور کسی حدیث کی نسبت یہ بات کہنا۔ کہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں دوسری چیز ہے۔ اور لوگوں کا اختیار ہے کہ ہماری بات کو مانیں یا نہ مانیں۔ علمائے حدیث نے بھی حدیث کی تنقیح کے لیئے بہت سے اصول درایت کے قائم کئے ہیں۔ مگر ان کو صحاح ستہ کی حدیثوں پر کام میں نہیں لاتے۔ ان کے سوا اور حدیثوں پر کام میں لاتے ہیں۔ مگر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ انہیں اصولوں کو صحاح ستہ کی حدیثوں پر کیوں کام میں نہیں لاتے۔ آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ میں بڑے بھاری رکن اسلام یعنی حدیث کو اکھاڑنا چاہتا ہوں۔ معاف کیجئے۔ یہ آپ کی غلطی ہے۔ مگر احادیث کو مثل قرآن مجید کے بلاشبہ نہیں سمجھتا۔ محدثین رحمہم اللہ نے حدیث کے جمع کرنے میں جو کچھ محنت کی ہے تمام مسلمانوں کو اُن کا شکر گذار ہونا واجب ہے۔ انہیں کی بدولت ہم اقوال و افعال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے واقف ہوئے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم اس بات کی بھی تنقیح کریں کہ درحقیقت وہ قول یا فعل رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں۔ اگر ہم کو یقین ہو کہ درحقیقت وہ

قول وفعل رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تو بغیر چون وچرا کے اُس کے آگے سر جھکا دیں ؛

جس شخص میں محبت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جاگزین ہو گی۔ نہ زیدؔ و بکرؔ کی وہ تو اس بات سے انکار نہیں کر سکنے کا جو میں نے بیان کی ؛

غرضکہ جو مسئلہ آپ نے پوچھا ہے وہ بہت عمیق اور غور طلب ہے۔ اور بہت زیادہ وسیع تقریر اس کے لئے چاہئے۔ ایسے مختصر خطوں میں اس کے لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ والسلام ؛

خلافت

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں تین صفتیں جمع تھیں ۔
اول نبوت ۔ یعنی شریعت کے احکام کا خدا کی طرف سے آپ کے پاس پہنچنا ۔
دوم ۔ اُن احکام کی لوگوں میں تبلیغ ۔
سوم ۔ ملکی سیاست اور نفاذ احکام اور محافظت احکام شریعت کی قوت اور اہل ملک کی حفاظت اور قوت اور طاقت سے مخالفین کی مدافعت ۔
پہلا ۔ امر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ختم ہو گیا ۔
اور اس امر میں کوئی شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور نائب تھا ۔ اور نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے ۔

دوسرے امر میں تمام فقہا اور علما ، اور محدثین جو احکام شریعت محمدیہ علے صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کی لوگوں میں تبلیغ کرتے ہیں ۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا نائب متصور ہو سکتے ہیں ۔ اور اسی واسطے بعض مفسرین نے آیت یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں جو لفظ اولی الامر کا ہے ۔ اس میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام اور علما اور فقہا کو داخل کیا ہے ۔

تیسرے امر میں وہ لوگ جو کسی ملک کو اپنے قبضہ میں رکھتے ہیں اور اس کی سیاست کے مختار ہیں اور نفاذ احکام اور محافظت احکام شریعت کی قوت اور اہل ملک کی حفاظت اور قوت اور طاقت سے مخالفین کی مدافعت کر سکتے ہوں ۔ وہ لوگ اس امر میں خلیفہ یا نائب رسول تصور ہو سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ وہ خود صفات اور اخلاق محمدی سے موصوف اور تمام احکام شرعی کے پابند ہوں ۔ اور تقدس ظاہری اور باطنی اُن کو حاصل ہو ۔ اور بعض مفسرین نے سرداران

لشکر اسلام کو بھی اولی الامر میں شامل کیا ہے۔ جن کے ماتحت بہت سے لوگ ہوتے ہیں ❊

سلاطین اسلام جو کسی ملک پر سلطنت رکھتے ہوں۔ ممکن ہے کہ اس تیسرے امر کے لحاظ سے اپنے تئیں خلیفہ کے لقب سے ملقب کریں۔ مگر اُن کی خلافت یا سلطنت اُسی ملک پر اور اُسی ملک کے مسلمان باشندوں پر محدود رہیگی جو اُن کے قبضہ اقتدار میں ہے نہ اُس ملک کے مسلمان باشندوں پر جو اُن کے قبضہ حکومت میں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ خلیفہ کو ضرور لازم ہے کہ وہ ملک پر قبضہ اور سلطنت رکھتا ہو۔ اور احکام حدود و قصاص اس میں جاری کر سکتا ہو۔ اس کا حکم اُس میں جاری ہو۔ دین کی حمایت کرتا ہو۔ دشمنوں کے ہاتھ سے اُس ملک کو اور اس ملک کے باشندوں کو محفوظ رکھ سکتا ہو۔ اور اُس ملک میں امن قائم رکھنے کی قوت اُس کو حاصل ہو۔ پس جس ملک میں کسی مسلمان بادشاہ کو ایسا اختیار اور اقتدار نہ ہو۔ وہ اس ملک کے لئے یا اُس ملک کے مسلمان باشندوں کے لئے خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ نہ خلیفہ کہلایا جا سکتا ہے ❊

سلطان ترکی کے خلیفہ ہونے کی نسبت جو اس پر بحث کی جاتی ہے کہ وہ نسل قریش سے نہیں ہیں اور جو لوگ اُن کو خلیفہ جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ روایت جس میں خلیفہ کے قریشی النسل ہونے کا ذکر ہے صحیح نہیں ہے۔ ہم ان تمام بحثوں سے قطع نظر کرتے ہیں۔ اور سلطان کو خلیفہ تسلیم کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر وہ خلیفہ ہیں تو اُس ملک کے اور اس ملک کے مسلمان باشندوں کے خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ جن میں اُن کی حکومت ہے اور جس میں اُن کو قتل و قصاص اور احکام دین کے قائم رکھنے کا اختیار اور اقتدار حاصل ہے نہ اُس ملک کے جہاں اُن کو مطلق اقتدار اور اختیار حاصل نہیں ہے نہ وہ قتل و قصاص کے احکام کو جاری کر سکتے ہیں نہ دین کو قائم رکھ سکتے ہیں نہ وہاں کے مسلمانوں کی حفاظت کر سکتے ہیں ایسے ملک میں وہ شرط نہیں پائی جاتی جو خلیفہ ہونے کے لئے ضرور ہے۔ اور اس لئے وہ اُس ملک یا اس ملک کے مسلمان باشندوں کے لئے خلیفہ نہیں ہو سکتے ❊

ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے گورنمنٹ انگریزی کی رعیت ہیں

اور گورنمنٹ انگریزی میں مستامن ہو کر رہتے ہیں۔ گورنمنٹ انگریزی نے ہم کو امن دیا ہے اور ہم کو ہر طرح پر مذہبی آزادی بخشی ہے۔ باوجودیکہ گورنمنٹ انگریزی عیسائی مذہب رکھتی ہے۔ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو جاوے تو وہ اسی طرح کچھ مزاحمت نہیں کرتی جس طرح کہ کسی مسلمان کے عیسائی ہو جانے سے نہیں کرتی۔ مشنری پادریوں کو گورنمنٹ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جس طرح کہ وہ وعظ کرتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح سینکڑوں مسلمان مذہب اسلام کا وعظ کرتے پھرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہو جاتا ہے تو ہمیشہ کوئی نہ کوئی عیسائی بھی مسلمان ہو جاتا ہے۔ پس گورنمنٹ انگریزی نے ہم مسلمانوں کو جو بطور رعیت کے مستامن ہو کر اُس کی عملداری میں رہتے ہیں کافی طور پر مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ علاوہ اس کے گورنمنٹ انگریزی میں ہماری جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ ہمارے تمام حقوق جو نکاح طلاق وراثت وصیت۔ ہبہ و وقف سے متعلق ہیں بموجب شرع اسلام کے ہم کو ملتے ہیں۔ گو کہ اس قسم کے مقدمات ایک عیسائی حاکم کے سامنے پیش ہوں۔ کیونکہ عیسائی حاکم مجبور ہے کہ ان کو بموجب شرع اسلام کے فیصل کرے اور اس لئے ہمارا مذہبی فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے خیر خواہ اور وفادار رہیں اور کوئی بات قولاً و فعلاً ایسی نہ کریں جو گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی اور وفاداری کے برخلاف ہو ؂

سلطان عبد الحمید خان خلد اللہ ملکہ کی ہم رعیت نہیں ہیں۔ نہ اُن کو ہم پر یا ہمارے ملک پر کسی قسم کا اقتدار حاصل ہے۔ پس وہ بلا شبہ ایک مسلمان بادشاہ ہیں اور بوجہ اتحاد اسلامی کے ہم اُن کی بھلائی سے خوش اور برائی سے ناخوش ہوتے ہیں۔ مگر کسی طرح نہ شرعاً نہ مذہباً ہم پر خلیفہ ہیں نہ خلیفہ ہو سکتے ہیں اگر اُن کو کوئی حق خلافت ہے تو وہ اُسی ملک پر اور اُسی ملک کے مسلمانوں پر محدود ہے جو اُن کی عملداری میں رہتے ہیں ؂

تاریخ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جن مسلمان بادشاہوں نے لقب خلیفہ کا اختیار کیا۔ اُن کی خلافت اُسی ملک اور اُسی ملک کے باشندوں پر محدود رہی ہے۔ جو اُن کی سلطنت میں شامل اور اُن کے قبضہ اقتدار میں داخل تھے اور

جو ملک اُن کی سلطنت میں نہ تھے اُن کی خلافت یا امامت یا سلطنت سے اُن کو کچھ تعلق نہ تھا۔ چنانچہ اس مقام پر ہم تاریخانہ طور سے خلفاء کے سلسلہ کو بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ اُن کی خلافت اسی حد تک محدود تھی جس قدر ملک کہ اُن کے قبضہ میں تھا ✧

حضرت ابوبکر جو بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہوئے بلاشبہ وہ پسند فرماتے تھے کہ خلیفہ رسول اللہ کہلاویں۔ مگر جب حضرت عمرؓ اُن کے جانشین ہوئے تو یہ بات پسندیدہ نہیں تھی کہ حضرت عمر خلیفہ خلیفہ رسول اللہ کہلاویں اس لئے بجائے اُس لقب کے امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا گیا جس کے معنی ہیں مسلمانوں کے سردار۔ یہ ہی لقب حضرت عمرؓ کا اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی مرتضےٰ کا اور حضرت امام حسن علیہم السلام کا رہا ✧

جب حضرت امام حسنؓ نے خلع خلافت کی اور معاویہ ابن سفیان کے ہاتھ حکومت آئی اور سنہ ۴۱ ہجری مطابق سنہ ۶۶۱ عیسوی کے دمشق دارالخلافہ ٹھیرا۔ اُس وقت ان کا لقب بھی امیرالمومنین رہا اور آج تک امیر معاویہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ مگر چونکہ خلیفہ کا لقب زیادہ مقدس سمجھا جاتا تھا کہ اس میں اشارہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا نکلتا تھا۔ اس لئے وقتاً فوقتاً جو کوئی بنی اُمیہ میں سے جانشین ہوا۔ اُس نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ جو درحقیقت بمعنی سلطان کے تھا ✧

اُس کے بعد بنی عباس نے بنی امیہ کو مغلوب کیا اور سنہ ۱۳۲ ہجری مطابق سنہ ۷۵۰ عیسوی کے السفاح نے حکومت حاصل کی اور المنصور نے بجائے دمشق کے بغداد کو دارالخلافہ بنایا اور جو لوگ وقتاً فوقتاً بنی عباس میں سے جانشین ہوتے گئے سب نے اپنا لقب خلیفہ کا اختیار کیا۔ خلفائے بنی امیہ معدوم ہوگئے اور خلفائے بنی عباس کا دور دورا ہوگیا ✧

المقتدر باللہ عباسی بغداد میں خلیفہ موجود تھا اسی کے عہد میں ایک خلافت افریقہ میں قائم ہوگئی یعنی سنہ ۲۹۷ ہجری مطابق سنہ ۹۰۹ عیسوی کے عبداللہ المہدی نے افریقہ میں بمقام قیروان خلافت کی بنیاد ڈالی اور سنہ ۳۴۱ ہجری مطابق سنہ ۹۵۲ ع

کے المعز باللہ نے قیروان سے مصر کو دار الخلافہ ٹھیرایا عبداللہ المہدی اور اُسکے جانشین سب علوی تھے اور سب نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا تھا۔ اب اسلامی دنیا میں دو خلیفہ مستقل با اقتدار و اختیار پیدا ہو گئے ایک خلفاے بنی عباس بغداد میں دوسرے خلفاے علویین قیروان یا مصر میں ٭

۱۳۸ھ ہجری مطابق ۷۵۶ء کے عبدالرحمٰن الداخل اندلس میں داخل ہوا۔ چند روز تک تو اُس کے جانشینوں نے خلیفہ کا لقب اختیار نہیں کیا۔ مگر جب المقتدر باللہ کے زمانہ میں جو بغداد میں خلیفہ تھا یعنی سنہ ۳۰۰ ہجری مطابق ۹۱۲ء کے عبدالرحمٰن ناصر تخت پر بیٹھا اُس نے اور اُس کے بعد جو جانشین ہوئے۔ انہوں نے لقب خلیفہ کا اختیار کیا۔ جن کا دار الخلافہ قرطبہ تھا ٭

اب اسلامی دنیا میں تین خلیفہ مستقل اور با اقتدار و اختیار پیدا ہو گئے۔ ایک خلفاے بنی عباس بغداد میں اور خلفاے علویین مصر میں اور عبدالرحمٰن ناصر اور اس کے جانشین اندلس میں یہ تینوں خلیفہ اپنے تئیں اسی ملک کا خلیفہ سمجھتے تھے۔ جو اُن کے قبضۂ اقتدار میں تھے۔ ہر ایک خلیفہ کے دربار میں قاضی اور مفتی سب موجود تھے۔ اور اپنے اپنے ملک کے خلیفہ کے حکم اور رضی سے فقہ کے احکام جاری کرتے تھے۔ بغداد کی عباسی خلافت میں عدالتیں فقہ حنفی پر عملدرآمد کرتی تھیں۔ مصر کی فاطمی حکومت میں فقہ اسمٰعیلی کا رواج تھا۔ اور اندلس کے اموی خاندان کی عدالتوں میں فقہ مالکی جاری تھی اور وہ ہر ایک کی خلافت کو اُس ملک میں جو اُس کی سلطنت میں تھا جائز قرار دیتے تھے۔ پس ان تمام حالات سے ظاہر ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکہ نہ ہم مسلمانوں کے لئے جو رعایاے گورنمنٹ انگریزی ہیں خلیفہ ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ سلطان ترکی حافظ حرمین شریفین ہیں بلکہ حافظ احترام شریفہ ہیں جن میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس یعنی یروشلم جو مقام مقدس یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں کا ہے داخل ہیں۔ مگر اس سے اور خلیفہ ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے ٭

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام یا خلیفہ ہر زمانہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے

ایک ہی ہونا لازم ہے۔ اور اس لئے سلطان ترکی کو وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا خلیفہ قرار دیتے ہیں مگر یہ محض غلط رائے ہے۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت کہ تمام دنیا میں ایک امام یا خلیفہ ہو نہ قرآن مجید سے ہوتا ہے نہ کسی حدیث سے۔ کوئی شخص آج تک نہ ایسا ہوا ہے اور شاید ہو گا بھی نہیں جس کی حکومت وسلطنت تمام دنیا پر ہو مسلمان دنیا کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں اور جب ایسے ملکوں میں ہوں جن میں کسی مسلمان بادشاہ کی حکومت وسلطنت نہیں ہے تو وہاں نہ کوئی مسلمان اُن مسلمانوں پر جو وہاں رہتے ہیں خلیفہ ہوسکتا ہے نہ امام زمان جس کو مرادف خلیفہ تصور کیا ہے اور یہ رائے تاریخ کے بھی برخلاف ہے۔ کیونکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ایک وقت میں تین خلیفہ گذرے ہیں۔ جن کو ان ملکوں کے رہنے والے مسلمان علماء قاضی ومفتی جو اُن کی حکومت میں رہتے تھے خلیفہ برحق قرار دیتے تھے ✣

ہاں مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے قریب جب حضرت عیسٰے آسمان سے اُتریں گے اور حضرت امام مہدی پیدا یا ظاہر ہونگے تو حضرت امام مہدی تمام دنیا کے امام ہونگے۔ اُس وقت جو زندہ رہیگا وہ دیکھیگا کہ کیا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک تو نہ حضرت عیسٰے آسمان پر سے اُترنے والے ہیں نہ مہدی موعود پیدا یا ظاہر ہونے والے ہیں۔ کیونکہ جتنی روایتیں اس باب میں ہیں وہ ثابت نہیں ہیں اور اکثر اُن میں کی موضوع ہیں ✣

بعض روایتوں پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ہر مسلمان کو امام زمان کا جاننا اور اس سے بیعت کرنا واجب ہے۔ گو یہ روایتیں بھی قابل وثوق اور لائق اعتبار نہیں ہیں مگر ہم اس پر کچھ بحث کرنا نہیں چاہتے اور اُن کے تسلیم کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے خلیفہ کا جس کی سلطنت میں وہ رہتا ہے۔ جاننا اور اس سے بیعت کرنا ضرور ہے بیعت کا مطلب صرف اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ ہم اُس کے مطیع اور تابعدار ہیں اور جو شخص جس کی حکومت میں رہتا ہو اُس کا فرض ہے کہ اُس کی تابعداری کرے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو لوگ اُس کی حکومت میں نہیں رہتے وہ بھی اُس کی تابعداری کا اقرار کریں۔ غرضکہ کوئی مسلمان بادشاہ اُن مسلمانوں کے لئے جو اُس کی سلطنت میں نہیں رہتے خلیفہ نہیں ہوسکتا ✣

العجب ثم العجب

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا نے معادن پر نظر رحمت ڈالی۔ جو عناصر کے ٹکرانے اور ملنے سے پیدا ہوئی تھی۔ اور اُن سے کہا کہ میں نے تجھ سے اپنا رب ہونا ظاہر کیا۔ تجھ کو میں نے اپنی خلق سے برگزیدہ کیا ہے۔ جو کچھ میں نے پیدا کیا ہے۔ تیرے لئے ہے اور آسمان اور زمین کو تیرا تابعدار بنایا ہے اسی طرح خدا تعالےٰ معدنیات سے کہتا رہا۔ یہاں تک کہ پہلا دورہ ختم ہو گیا ؂

پھر معدنیات کی صورت خدا کے سامنے حاضر ہوئی۔ اور خدا کے سامنے عجز و نیاز کرنے لگی۔ تو خدا کی بارگاہ سے ایک فیض عجیب معدنیات کی صورت پر پڑا۔ کہ اُس میں تغذیہ کا اور نمو کا استعداد پیدا ہو گیا۔ اور نباتات پیدا ہو گئیں۔ اور معدنیات کی صورت پر غالب آئیں۔ اور معدنیات اُس میں چھپ گئیں اور خدا کی شان دوسری ہو گئی ؂

پھر خدا نے نباتات پر نظر رحمت ڈالی اور کہا۔ کہ جو کچھ میں نے پیدا کیا ہے تیرے لئے ہے۔ میری خلقت میں سے تو ہی برگزیدہ ہے۔ اور تو ہی میرا مقصود ہے۔ اور تمام عالم تیری تابع ہیں۔ اسی طرح خدا تعالےٰ معدنیات سے کہتا رہا۔ یہاں تک کہ دورہ ختم ہو گیا۔ یعنی دوسرا دورہ ؂

پھر نباتات کی صورت خدا کے سامنے حاضر ہوئی۔ اور عجز و نیاز کرنے لگی تو خدا کی بارگاہ سے ایک فیض عجیب نباتات کی صورت پر پڑا۔ کہ اس میں ادراک اور حس۔ اور ارادہ کی قوت پیدا ہو گئی۔ اور اُس سے حیوان پیدا ہو گئے۔ اور معدنیات اور نباتات اُس میں چھپ گئیں۔ اب خدا نے حیوان پر نظر رحمت کی اور کہا۔ کہ جن کو میں نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے تو ہی میرا برگزیدہ اور تو ہی میرا محبوب ہے۔ اور تو ہی میرا مطلوب اور تو ہی عالم کے پیدا ہونے کا سبب ہے

اور توہی خلق کے پیدا ہونے کی علت فاعلی ہے۔ پھر اسی طرح خدا اس سے کہتا رہا۔ یہاں تک کہ دورہ ختم ہوگیا۔ یعنی تیسرا دورہ ✣

پھر حیوانات کی صورت خدا کے سامنے حاضر ہوئی۔ اور عجز و نیاز کرنے لگی۔ تو خدا کی طرف سے انسان کی صورت اُس پر فائز ہوئی۔ پھر اُس میں اس سے افضل استعداد پیدا ہوگیا۔ جو اُن میں تھا۔ اور اصل صورت انسان کے دل اور عقل کے لطیفہ کا پورا ہونا ہے۔ پھر انسان کی نوع پیدا ہوئی جن میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام ہیں۔ اور خدا نے رحمت کی نظر سے اس کو دیکھا اور کہا۔ کہ تو عالم صغیر ہے خبر دینے والا عالم کبیر کا۔ توہی امانت کے لائق ہے۔ نہ آسمان اور نہ زمینیں اور نہ پہاڑ۔ عالم کو تیرے لئے مسخر کیا ہے۔ اور تیرے لئے مینہ برسایا ہے۔ اور نباتات اُگائے۔ اور تیرے لئے حیوانوں کو زمین میں پیدا کیا۔ میری خلقت میں توہی میرا محبوب ہے (انتہی) گویا یہ چوتھا دورہ تھا ✣

شاید اسی مقام کے مناسب حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنام منِ دیوانہ زدند

قال اللہ تعالیٰ۔ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا۔ وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا (۲۳ آیت ۷۲ سورۃ الاحزاب) ✣

یعنی ہم نے پیش کیا امانت کو آسمانوں اور زمینوں کے اور پہاڑوں کے سامنے۔ پھر اُنہوں نے اُس کے برداشت کرنے سے انکار کیا۔ اور اس سے ڈر گئے۔ اور اس کو برداشت کیا انسان نے۔ بیشک وہ زیادتی کرنے والا اور نادان تھا ✣

اس مقام پر ہم کو اس آیت کی نسبت بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہر کوئی جان سکتا ہے۔ کہ جو چیز انسان میں حیوانوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اُسی کی نسبت لفظ امانت کا کہا گیا ہے۔ مگر جو کچھ کہ تعجب ہم کو ہے۔ وہ اس بات سے ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ان چاروں دوروں کا ہونا اور

خصوصاً اس طرح پر جس طرح پر کہ انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہاں سے اخذ کیا ہے۔
جو لوگ کہ ڈارون کی تھیوری کے قائل ہیں وہ تو شاہ ولی اللہ صاحب کے اس بیان
سے انقلاب کی تھیوری پر استدلال کرتے ہیں۔ اور جو لوگ انقلاب کے
قائل نہیں ہیں۔ بلکہ مماثلت کے قائل ہیں جیسا کہ ہمارا خیال ہے۔ وہ اُن کے بیان
سے مماثلت کی تھیوری پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر جب تک یہ معلوم نہ ہو۔ کہ
کہاں سے ان دوروں کا شاہ ولی اللہ صاحب نے استنباط کیا ہے۔
اُس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے *

البتہ توریت میں ہے۔ کہ زمین نے سبزہ زار اور درختان میوہ دار کو اُگایا
اور خدا نے اُن کو دیکھ کر کہا کہ بہت اچھا ہے۔ پھر خدا نے پانیوں کو کہا۔ کہ پانی کے
جانور اور اُڑنے والے جانور پیدا کریں۔ اور خدا نے ان کو دیکھ کر کہا کہ بہت
اچھا ہے *

پھر خدا نے زمین کو کہا کہ زمین پر چلنے والے جانور پیدا کرے۔ اُس نے
پیدا کئے اور خدا نے اُن کو دیکھ کر کہا۔ کہ بہت اچھا ہے *

پھر خدا نے اپنے مشابہ انسان کو پیدا کیا۔ مگر جو طرز بیان کہ شاہ ولی اللہ صاحب
کا ہے۔ اور جو طرز بیان کہ توریت میں ہے وہ یکساں نہیں ہے۔ مگر ہم کو پتہ
نہیں لگتا۔ کہ شاہ صاحب نے وہ بیان کہاں سے اخذ کیا ہے۔ اگر انہوں نے
بذریعہ اپنے مکاشفہ کے بیان کیا ہے تو اس میں کچھ کلام نہیں۔ اور اگر انہوں نے
کتاب اور سنت سے اخذ کیا ہے۔ تو ہم کو اُمید ہے کہ کوئی دوست ہم کو اسکے
ماخذ سے مطلع فرماویگا *

امام اور امامت

اس مقام پر امام کے لفظ سے ہمارے مراد اس شخص سے نہیں ہے جو سب کے آگے کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے۔ بلکہ ایسے شخص سے مراد ہے۔ جو بہ سبب کمال نفسی و روحانی یا علمی و عملی کے امام کے لفظ سے مخاطب کیا جاتا ہے ٭

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں علاوہ نبوت اور نفاذ احکام اور محافظت مسلمین کے جو آنحضرت کے بعد شان خلافت سے متعلق ہیں۔ ذاتی کمالات اور اعلےٰ درجہ کی صفات بھی تھیں پس اُن صفات کمال میں مشابہت پیدا کرنا۔ اس کمال میں امامت کے درجہ پر پہنچنا ہے ٭

مثلاً رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو علم دین میں مخففاً بذریعہ وحی یا الہام کے جو مقتضائے فطرت نبوت تھا۔ اعلےٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔ اور گو اس درجہ کا کمال کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ مگر جن لوگوں نے علم دین اور احکام شریعت کے سمجھنے اور نکالنے میں نہ بطور تقلید بلکہ بطور اجتہاد کوشش کی اور اس کو حاصل کیا۔ اور جم غفیر مسلمانوں نے اس کو قبول و تسلیم کیا۔ گو کہ اُس میں خطا کا احتمال بھی ہو انہوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کمال دینی میں ایک قسم کی مشابہت پیدا کی۔ اور اس کمال میں درجۂ امامت حاصل کیا اور تمام لوگوں نے اس فن میں ان کو تسلیم کیا جیسے کہ مجتہدین اربعہ امام۔ ابو حنیفہ رضہ۔ امام شافعی رضہ۔ امام احمد حنبل رضہ۔ امام مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین تھے ٭

یا مثلاً جو نفت دس ذاتی اور صفات روحانی اور علم دینی و روحانی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ اس کو آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے حاصل کیا خواہ تعلیماً خواہ وحیاً اور اس کمال میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت

پیدا کی۔ اس لئے جم غفیر مسلمانوں نے ان کو اس کمال میں امام تسلیم کیا اور آئمہ اہل بیت سے ملقب ہوئے ؀

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو علم عقاید تحقیقاً یا از روے وحی یا الہام کے حاصل تھا جو دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس اس میں مشابہت کا حاصل کرنا صرف استدلال پر منحصر تھا۔ پھر جس نے استدلال سے اس کو حاصل کیا۔ گو کہ اس میں غلطی کا بھی احتمال ہو۔ اور جم غفیر مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا۔ اُس نے اس فن میں امام کا درجہ پایا۔ جیساکہ امام غزالی اور امام فخر الدین رازی و دیگر علماے علم کلام اس فن میں درجہ امامت کو پہنچے تھے ؀

علاوہ اس کے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم میں اور بہت سے کمالات ذاتی تھے۔ جیسے تقدس روحانی۔ استغراق فی ذات اللہ۔ توجہ الی اللہ تعمیل حکم ربانی۔ حلم۔ رحمت۔ شفقت علے المسلمین وغیرہ وغیرہ پس جو شخص کمالاتِ مصطفوی کے کسی کمال سے اپنے تئیں مشابہ کرتا ہے وہی اس کمال کا امام ہوتا ہے۔ خواہ وہ امام کے نام سے مشہور ہوا ہو یا نہیں ؀

اور جس نے جو تمام روحانی اور اخلاقی صفات محمدی علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں مشابہت پیدا کی ہو اور ملک بھی اس کی حکومت میں ہو جس میں اس کو احکام شرعی کے نفاذ اور مسلمانوں کی ہدایت اور حفاظت کا اختیار حاصل ہو۔ بلاشبہ وہ شخص بھی اس ملک کے لئے جو اس کی حکومت میں ہے۔ خلیفہ رسول اللہ اور امام کے لقب سے ملقب ہونے کا مستحق ہے اور اگر اس نے اپنے تئیں اُن صفات کمال کے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں تھیں مشابہ نہیں کیا۔ اور کسی ملک کی حکومت حاصل کی جیساکہ بنی اُمیہ و بنی عباس نے تو وہ درحقیقت اُس ملک کے لئے اور اس ملک کے مسلمان رہنے والوں کے لئے سلطان ہے نہ امام۔ اور نہ خلیفہ رسول اللہ۔ گو کہ اس نے فخر یہ طور پر خلیفہ کا لقب اختیار کیا ہو اور بزور حکومت اپنے تئیں خلیفہ کہوایا ہو۔ اسی لئے اس نے اپنے اجتہاد سے جو احکام متعلق مذہب کے دئیے ہوں وہ وقعت سے نہیں دیکھے جاتے ؀

اور اگر اس نے اپنے تئیں صفات کمال رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کیا

ہے اور کوئی ملک اُس کی حکومت اور قبضہ اقتدار میں نہیں ہے۔ جس میں وہ احکام شرعی کو نافذ اور وہاں کے مسلمانوں کی حفاظت کرسکے تو وہ صرف انہی امور میں جن میں اُس نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہت پیدا کی ہے امام ہے مگر اس پر خلیفہ رسول اللہ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اور اسی وجہ سے آئمہ اہل بیت علیہ السلام امام کے لفظ سے ملقب ہوئے ہیں ؁

مگر فرقِ اسلامیہ میں امام کا مرتبہ قرار دینے میں اختلاف ہے شیعہ تو امام کو معصوم اور منصوب من اللہ اور مفروض الطاعت قرار دیتے ہیں۔ اور یہ کرامت حضرت امام مہدی علیہ السلام پر جو آئمہ اہل بیت کے اخیر امام ہیں ختم ہوگئی۔ وہ پیدا ہوئے تھے۔ اور سرمن رائے کی غار میں غائب ہوگئے ہیں۔ مگر اب تک زندہ ہیں اور امام العصر والزمان ہیں اور قیامت کے قریب ظاہر ہونگے اور اس لئے کوئی دوسرا شخص امام نہیں ہوسکتا ؁

مگر اہل سنت وجماعت کسی امام کو منصوب من اللہ اور معصوم عن الخطاء قرار نہیں دیتے۔ بلکہ وہ سوائے پیغمبر کے کسی کو گو کہ وہ کیسا ہی مقدس۔ ذی علم اور صاحب فضل وکمال ہو معصوم عن الخطا نہیں سمجھتے ؁

نتیجہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ شیعہ تو امام کے حکم تمام دنیا کے شیعہ مسلمانوں پر بیچون وچرا واجب التعمیل سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ اُن کے امام دنیا کی آنکھوں سے غائب ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں کوئی ایسا حکم اُن کے لئے وجود پذیر نہیں ہوسکتا جس کی اطاعت تمام دنیا کے شیعہ مسلمانوں پر واجب ہو ؁

اہل سنت وجماعت کسی امام موجودہ یا گذشتہ کا حکم تمام دنیا کے سُنّی مسلمانوں پر بیچون وچرا واجب التعمیل نہیں سمجھتے۔ جو لوگ بے پڑھے یا کم استعداد ہیں۔ وہ تو جس امام کے معتقد ہیں یا جس کے اُن کے باپ دادا معتقد تھے۔ اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ذی استعداد اور قابل ہیں وہ جب تک اس بات کو نہ سمجھ لیں کہ وہ حکم امام کا صحیح اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہے اُس کو واجب التعمیل نہیں جانتے۔ اور اسی سبب سے اہل سنت وجماعت میں تقلید اور عدم تقلید امام معین پر بحث چلی آتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔

کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اور اس کے بعد تک بھی یعنی جب تک فقہ کی کتابیں مرتب ہوئیں۔ کوئی شخص کسی کی تقلید پر مجبور نہیں تھا۔ اگر کوئی مسئلہ کسی کو معلوم نہیں تھا تو وہ کسی عالم سے جس سے اُس کا جی چاہتا تھا۔ پوچھ لیتا تھا ٭

غرضیکہ سنیوں میں بعد پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ مذہبی امور میں اس کا حکم تمام دنیا کے مسلمانوں پر واجب التسلیم ہو۔ خود صحابہ متعدد مسائل مذہبی میں مختلف الرائے تھے۔ اور ایک دوسرے کی رائے کو واجب التسلیم نہیں سمجھتا تھا۔ مثلاً اکثر صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے۔ مگر حضرت عائشہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سماعِ موتےٰ کے قائل تھے۔ مگر بعض صحابہ اس کے سخت مخالف تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کا عقیدہ تھا کہ عزیزوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ حضرت عایشہ اس کے مخالف تھیں۔ یہ اختلاف صحابہ میں عقاید کا تھا۔ اسی طرح وہ فقہی مسائل میں بھی باہم مختلف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس بات کے قائل تھے کہ وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھونا چاہئیے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک دو دو بار دھونا لازم تھا حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہؓ تو فجر کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھنے کو لازمی قرار دیتے تھے۔ مگر حضرت ابو مالک اشجعی کو اس سے انکار تھا۔ اکثر صحابہ مسح علی الخفین کو جائز سمجھتے تھے۔ مگر حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں۔ جن میں صحابہ اور تابعین آپس میں مختلف الرائے تھے اور ایک دوسرے کی رائے کو تسلیم نہیں کرتا تھا ٭

موجودہ زمانہ کے حالات پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو امام کا رتبہ رکھتا ہو۔ اور نہ کوئی شخص گوکہ وہ کسی ملک کا حاکم بھی ہو۔ ایسا ہے جو خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہلانے کا مستحق ہو۔ البتہ جو مسلمان کسی ملک پر حکومت رکھتے ہیں وہ اس ملک کا سلطان کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور درحقیقت وہ اُس ملک کے سلطان بھی ہیں گو اُنہوں نے اپنے تئیں کسی لقب سے ملقب کیا ہو ٭

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ مذہب اسلام کے رو سے رعیّت کو اپنے سلطان کے ساتھ

کس طرح پیش آنا لازم ہے۔ اس کا بیان مشکوۃ کی ایک حدیث میں ہے جس کو ہم بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں ✦

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان لہ الاجر وعلی الرعیۃ الشکر واذا جار کان علیہ الامر وعلی الرعیۃ الصبر" ✦

یعنی ابن عمر نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا نقل کیا ہے کہ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے کہ ہر مظلوم اس کے بندوں میں سے اس کی پناہ میں آتا ہے۔ پھر اگر اُس نے عدل کیا تو اس کی بھلائی اُس کے لئے ہے اور رعیت پر اس کا شکر کرنا فرض ہے۔ اور اگر وہ ظلم کرے تو اس کی بُرائی اس پر ہے۔ اور رعیّت کو اس پر صبر کرنا لازم ہے ✦

اس حدیث میں سلطان کا لفظ بغیر کسی قید کے آیا ہے۔ پس وہ سلطان خواہ مسلمان ہو۔ خواہ یہودی ہو۔ خواہ عیسائی ہو۔ خواہ آتش پرست۔ خواہ بت پرست اس کے ساتھ اس کی رعیّت کو اسی طرح پیش آنا لازم ہے کہ جس طرح اس حدیث میں بیان ہوا ہے ✦

اس حدیث میں سلطان کو ظل اللہ اس لئے کہا ہے کہ جس طرح ہر مظلوم خدا کی پناہ ڈھونڈتا ہے اسی طرح اس کی رعیّت کا ہر مظلوم کسی مذہب کا ہو سلطان کی پناہ میں آتا ہے اور اسی مشابہت سے سلطان کو ظل اللہ کہا ہے ✦

اب ہم کو ہندوستان کے مسلمانوں پر غور کرنی ہے جو بطور رعیّت کے اور مُستامن ہو کر انگلش گورنمنٹ کے ماتحت رہتے ہیں۔ انگلش گورنمنٹ نے اُن کے ساتھ عدل و انصاف کرنے میں بقدر اپنی طاقت کے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اُن کے تمام معاملات کے فیصلہ کے لئے قانون بنا دئیے ہیں اور ہر شخص پہلے سے جانتا ہے کہ کسی فعل کا نتیجہ وہ ہے جو قانون میں لکھا ہے ✦

مذہبی آزادی انگلش گورنمنٹ نے ہر ایک قوم کو دی ہے۔ تمام مذہب والوں کے مذہبی معاملات ان کے مذہبی مسائل کے موافق عدالت سے فیصل ہوتے ہیں۔

جان اور مال کا امن اور سوائے بغاوت اور شرارت کے ہر قسم کی آزادی انگلش گورنمنٹ کی رعیت کو حاصل ہے۔ پس بالتخصیص مسلمانوں کو مطابق اُس حدیث کے جو اوپر ندکور ہوئی انگلش گورنمنٹ کا شکر ادا کرنا چاہئیے۔ اور انگلش گورنمنٹ کی رعایا ہو کر وہ انگلش گورنمنٹ کے ساتھ کسی قسم کا فساد یا مخالفت یا بغاوت قولاً و فعلاً نہیں کر سکتے ✤

اور حدیث کی کتابوں میں متعدد حدیثیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نہایت تاکید سے نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ تم اپنے امیروں اور حاکموں کی ہر حالت میں اطاعت کرو۔ خواہ تمہارے ساتھ ظلم و ستم ہوتا ہو۔ یا وہ انصاف اور مروت سے پیش آتے ہوں۔ ان حدیثوں میں حاکم یا امیر کے ساتھ کوئی شرط یا قید نہیں ہے جس سے یہ بات معلوم ہو کہ حاکم یا امیر کس مذہب کا ہو۔ پس تمام مسلمانوں کو ان حدیثوں کا ماننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور انہی حدیثوں کے رو سے لازم آتا ہے کہ تمام مسلمان جو ہندوستان میں جو برٹش گورنمنٹ کے سایہ حکومت میں زندگی بسر کرتے ہیں نہایت وفاداری اور نمک حلالی کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کی اطاعت کریں۔ اور خدا کا شکر کریں کہ اس نے ایسی مہربان اور عادل گورنمنٹ اُن کی جان و مال اور عزت اور مذہب پر مسلط کی ہے جو اُن کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرتی ہے اور اس نے ہر طرح کی مذہبی آزادی عنایت کی ہے اور وہ کوئی ایسا حکم نہیں دیتی ہے نہ کبھی دیگی جس سے ہم کو خدا کی نافرمانی کرنی پڑے۔ اور اس قول پر عمل کرنے کی ضرورت پیش آئے کہ لا سمع ولا طاعۃ فی معصیۃ اللہ ✤

صبانا صبانا

یہ کس نے کہا ؟ بنی خزیمہ نے ۔ مگر افسوس ہے کہ حضرت خالد ابن ولید اس کا مطلب نہیں سمجھے اور اُن کو قتل کر دیا ✦

واقعہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید کو بنی خزیمہ کے پاس بھیجا ۔ کہ اُن کو اسلام کی طرف دعوت کریں ۔ بنی خزیمہ نے بجائے اس کہے کہ ۔ "اسلمنا" کہیں "صبانا صبانا" کہا ۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے مذہب سے پھر گئے یعنی مسلمان ہو گئے ۔ حضرت خالد اس مطلب کو نہیں سمجھے اور اُن کو قتل کر دیا ۔ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ اے خدا میں بری ہوں اُس کام سے جس کو خالد نے کیا ✦

غور طلب یہ بات ہے کہ جو لوگ اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب میں آتے ہیں اُن کے دل میں کیا بات پیدا ہوتی ہے ۔ جس کے سبب سے وہ دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں ✦

جو لوگ کسی خوف سے یا کسی لالچ سے اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں وہ ہماری بحث سے خارج ہیں ۔ ہم اس بات پر غور کرنا چاہتے ہیں ۔ کہ دوسرے مذہب کی کیا خوبی نہایت سچائی سے اُن کے دل میں جچتی ہے جس سے وہ پہلا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں ✦

اگر کسی شخص نے اپنے مذہب میں جس میں کہ وہ ہے سخت پابندیاں اور سخت احکام دیکھے ۔ جس سے اس کو اپنی زندگی تلخ معلوم ہوئی ۔ اور دوسرے مذہب میں اُس نے آسانی اور اُن سخت پابندیوں سے نجات دیکھی اور اِس لئے اُس مذہب کو اختیار کر لیا ۔ تو اس کو بھی ہم اُنہیں شخصوں میں شمار کرینگے جنہوں نے کسی لالچ سے دوسرا مذہب اختیار کیا ہے ۔ حالانکہ ہم اُس سچائی کی تلاش کے درپے ہیں جو دوسرے مذہب کی اس کے دل میں جچی اور اس کے سبب سے اُس نے دوسرا مذہب اختیار کیا ✦

اس بات کا ہم کو یقین نہیں ہوتا۔ کہ جو دوسرا مذہب اس نے اختیار کیا ہے اُس کے تمام مسائل اور عقاید پر اس نے بخوبی غور کر کے اور ہر ایک مسئلہ اور عقیدہ کو دوسرے مذہب کے عقاید اور مسائل پر ترجیح دیکر دوسرا مذہب اختیار کیا ہو۔ کیونکہ یہ امر تو نہایت مشکل کام ہے۔ ایک بہت بڑا عالم بھی ایسا نہیں کر سکتا پس کیا چیز ہے جو مذہب کو بدلوا دیتی ہے ✤

صحبت بھی دوسرے مذہب کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ مگر ہم اس کو بھی اُس میں شمار نہیں کرتے جس میں کسی شخص نے نہایت سچائی اور ایمانداری سے دوسرے مذہب کو سچ اور برحق سمجھ کر اختیار کیا ہو۔ اور اپنا مذہب چھوڑ دیا ہو ✤

لوگ کہتے ہیں کہ سیدھی راہ اختیار کرنی خدا کی ہدایت پر موقوف ہے ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سیدھی راہ یعنی مذہب حق اختیار کرنا بلاشبہ خدا کی ہدایت پر موقوف ہے۔ مگر ان کی نسبت ہم کیا کہیں کہ جو مذہب حق کو چھوڑ کر دوسرا مذہب جو گمراہی ہے اختیار کرتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی دونو خدا کے اختیار میں ہیں۔ مگر ہم اس بات کی تلاش میں ہیں کہ کیا چیز انسان کے دل میں آجاتی ہے۔ جس کے سبب وہ مذہب تبدیل کر ڈالتا ہے خواہ وہ مذہب جو اُس نے پہلا مذہب تبدیل کر کے اختیار کیا ہے حق ہو یا باطل ہو ✤

موجودہ اور گذشتہ زمانہ کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اُن اسباب کے جو ہم نے اوپر بیان کئے یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کے دل کو کسی مذہب کی کچھ باتیں کسی دلیل سے یا بغیر کسی دلیل کے سچ اور صحیح معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور وہ ان کو نہایت نیک نیتی سے اور سچے دل سے سچا اور برحق سمجھتا ہے۔ اور اِس لئے اُس مذہب کو اختیار کر لیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس مذہب کی تمام باتیں اس کو سچی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور وہ اُس مذہب کو پورا پورا اختیار کر لیتا ہے ✤

اس بات کا سبب کہ اس شخص کو کسی مذہب کی کچھ باتیں کیوں سچ معلوم ہونے لگتی ہیں زیادہ تر اُن لوگوں کی بزرگی اور تقدس اور اخلاق کی خوبی۔ نیکی اور نیک خصلت پر منحصر ہوتا ہے جو اُس مذہب کا وعظ کرتے ہیں یا اُس مذہب کو پھیلاتا

چاہتے ہیں۔ خود بھی وہی کرتے ہیں جو کہتے ہیں۔ اُن کا قول اور فعل۔ ظاہر و باطن۔ سب یکساں ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام اُن صفات کے جامع ہوتے ہیں۔ جو انسان میں حسب فطرت انسانی جمع ہو سکتی ہیں۔ اُن کا وظیفہ شبا نروزی انسان کو خدائے واحد کی پرستش اور نیکی اور نیک دلی کی ہدایت کرنا ہوتا ہے اور چونکہ اُن کا طریقہ عمل بالکل اُس کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی وہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں اور وہی خود بھی کرتے ہیں جو لوگوں سے کرنے کو کہتے ہیں اس لئے درحقیقت وہ معصوم ہوتے ہیں یعنی بُری باتوں سے محفوظ اور اچھی باتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ پس ہمارے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضرور ہے اور اگر معصوم نہ ہوں تو ان سے پوری پوری اُمت کی ہدایت غیر ممکن ہے +

یہی طریقہ اب تک چلا آتا ہے علماء کو جنہوں نے اپنی تمام زندگی علوم کے حاصل کرنے میں صرف کردی ہے ان کو تو علیحدہ رکھو۔ مگر جن لوگوں نے روحانی نیکی حاصل کرنے پر توجہ کی ہے خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل۔ ہاں اگر عالم میں بھی ہوں تو نورٌ علےٰ نور ہیں۔ اُن کے اخلاق اور اوصاف انبیاء علیہم السلام کے اخلاق اور اوصاف کے زیادہ مشابہ ہو جاتے ہیں۔ اور انہی سے صراط مستقیم یعنی مذہب اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔ یہی حال ہندوستان میں ہوا ہے۔ علماء کے ذریعہ سے تو شاید دو چار دس پانچ آدمی مسلمان ہوئے ہوں مگر فقرا اور اولیاء اللہ کی بدولت ہزاروں لاکھوں آدمی مسلمان ہوئے ہیں۔ پس مذہب کی خوبی اُنہیں لوگوں سے ظاہر ہوتی ہے جو نیکی کا پتلا ہو جاویں۔ ورنہ ایسے لوگ تو بہت مارے مارے پھرتے ہیں جن کی نسبت حافظ نے کہا ہے کہ ؎

واعظاں کیں جلوہ در محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین +

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور اُن کا مذہب حنیف

مامون رشید کے زمانہ میں عبد المسیح ابن اسحٰق کندی جس کا عیسائی مذہب تھا۔ اور بہت بڑا عالم تھا۔ مامون رشید کے دربار میں ایک بہت معزز عہدہ پر ملازم تھا۔ مامون رشید کے ایک قریبی رشتہ دار نے جس نے اپنا لقب الہاشمی قرار دیا ہے ایک خط عبد المسیح کے نام دعوت اسلام کا بھیجا اور یہ خواہش کی کہ وہ بھی مسلمان ہوجائے عبد المسیح نے نہایت سختی سے اُس خط کا جواب لکھا ہے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اُس جواب میں یہ بات بھی لکھی ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ اُس زمانہ تک جب کہ وہ پیغمبر ہوئے یعنی پچھتر برس کی عمر تک بت پرستی کیا کرتے تھے۔ اور وہی بت پرستی کا مذہب مذہب حنیف کہلاتا تھا۔ مگر یہ دونو باتیں محض غلط ہیں۔ توریت مقدس سے یا اور کسی کتاب سے ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی وقت اور کسی زمانہ میں بت پرستی کی ہو۔ بلکہ برخلاف اس کے قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی بت پرستی یعنی شرک نہیں کیا۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت متعدد جگہ آیا ہے کہ "ما کان من المشرکین" یعنی ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم نے کہا "ما انا من المشرکین" یعنی میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ پس بلا سند اور بلا دلیل یہ کہنا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پچھتر برس کی عمر تک بت پرستی کرتے تھے محض بے اصل اور صرف اتہام ہے۔ پچھتر برس کی عمر ہم نے توریت کے حساب سے لکھی ہے۔ مگر جو عمریں توریت میں لکھی ہوئی ہیں اُن کی صحت نہایت مشتبہ اور بحث طلب ہے ؎

تمام انبیاءؑ اُسی قوم میں سے پیدا ہوتے ہیں اور اُسی قوم میں پلتے اور بڑھے ہیں۔جس کی بُری باتوں کی اصلاح کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں۔لیکن اُن کا یہ امر طبعی ہوتا ہے کہ جن بری باتوں کی اصلاح وہ اپنے زمانۂ رشد میں کرتے ہیں ابتدا ہی سے اُن کو اُن سے نفرت ہوتی ہے اور اس لئے کبھی وہ اُن امور میں ملوث نہیں ہوتے۔اگر وہ ان میں ملوّث ہوں تو زمانۂ رشد میں اُن امور کی اصلاح ان سے ہونی نہایت مشکل ہے۔کیونکہ جو مقتضا ئے طبیعت ہوتا ہے وہی زمانۂ رشد میں ظاہر ہوتا ہے۔پس گو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔جو بت پرستی میں ملوث تھا۔مگر صرف ایسے خاندان میں پیدا ہونے سے یہ خیال نہیں ہوسکتا۔کہ اُنہوں نے بھی بت پرستی کی ہو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت بت پرستی کا خیال سراسر غلط اور محض بیہودہ ہے ✤

اور یہ بات بھی کہ وہی بت پرستی کا مذہب مذہب حنیف کہلاتا تھا محض غلط ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب توحید ذات باری کا تھا اور اُن کے مراسم مذہبی جیسے کہ حج خانۂ کعبہ کا ہے تمام ملک عرب میں پھیل گئے تھے۔اور حضرت ابراہیم کا مذہب توحید مذہب حنیف کہلاتا تھا۔اُس کے بعد لوگوں نے بت پرستی کو اُس مذہب میں ملا دیا تھا۔مگر وہ ابراہیمی مذہب کے مراسم بھی مثل حج کعبہ وغیرہ ادا کرتے تھے۔اور اس لئے اپنے مذہب کا وہی پرانا نام لیتے تھے اور مذہب حنیف کہتے تھے۔مگر بُت پرستی مذہب حنیف ابراہیمی میں نہ تھی۔چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے ✤

وکان عبدۃ الاوثان فی الجاھلیۃ یقولون نحن حنفاء علی دین ابراھیم فلما جاء الاسلام سموا المسلم حنیفا وقال الاخفش وکان فی الجاھلیۃ یقال من اختتن وحج البیت قیل لہ حنیف لان العرب لم تتمسک فی الجاھلیۃ بشیٔ من دین ابراھیم غیر الختان وحج البیت وقال الزجاجی الحنیف فی الجاھلیۃ من کان یحج البیت ویغتسل من الجنابۃ ویختتن فلما جاء الاسلام کان الحنیف المسلم لعدولہ عن الشرک ✤

یعنی بت پرست لوگ ایام جاہلیت میں دعوے کرتے تھے کہ ہم حنیف ہیں

اور ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر ہیں۔ جب مذہب اسلام کا ظہور ہؤا۔ تو مسلمانوں کو بھی حنیف کہنے لگے۔ اخفش نے کہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ ختنہ کرتے تھے اور کعبہ کا حج کرتے تھے اُن کو حنیف کہتے تھے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں عرب کے لوگوں نے سوائے ختنہ اور حج کعبہ کے ابراہیمی مذہب میں سے کوئی چیز اختیار نہیں کی تھی۔ زجاجی کہتا ہے کہ عرب جاہلیت اُن لوگوں کو جو کعبہ کا حج کرتے تھے۔ اور جنابت کے بعد غسل کرتے تھے اور اُن میں ختنہ کی رسم بھی جاری تھی حنیف کہتے تھے۔ جب اسلام شروع ہؤا تو مسلمانوں کو بھی حنیف اس لئے کہنے لگے کہ وہ شرک سے باز رہے تھے ⁂

پس یہ کہنا کہ جو مذہب بُت پرستی کا تھا وہی مذہب حنیف کہلاتا تھا۔ صریح غلطی ہے۔ خدا نے اس التباس کو جا بجا قرآن مجید میں رفع کیا ہے۔ کیونکہ جہاں قرآن مجید میں مذہب حنیف کا ذکر آیا ہے۔ اُسی کے ساتھ اُس مذہب کے شرک سے بری ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حنیف سے وہ مذہب مراد نہیں ہے۔ جس میں شرک اور بُت پرستی داخل ہوگئی تھی۔ اور جس کو مشرکان زمانۂ جاہلیت مذہب حنیف کہتے تھے۔ بلکہ خاص مذہب توحید ذات باری جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب تھا لفظ حنیف سے وہی مذہب مراد ہے نہ وہ مذہب جس کو مشرکین عرب مذہب حنیف کہتے تھے ⁂

سورہ بقر میں خدا نے فرمایا ہے" وقالوا کونوا ھودا او نصاری تھتدوا قل بل ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین" (آیت ۱۲۹) یعنی اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہود یا نصارے تو راہ پر آؤ گے۔ اے پیغمبر کہدے کہ نہیں ہم نے ابراہیم کا مذہب اختیار کیا ہے جو ایک خدا کا ہو رہا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا ⁂

سورۂ آل عمران میں خدا نے فرمایا ہے" ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین" (آیت ۶۰) یعنی ابراہیم یہودی تھا نہ نصرانی بلکہ ایک خدا کا ماننے والا مسلمان تھا۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا ⁂

سورۂ آل عمران میں دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے " قل صدق الله فاتبعوا ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین "۔ (آیت ۸۹) یعنی اے پیغمبر کہدے کہ خدا نے سچ فرمایا ہے کہ تم ابراہیم کے مذہب کی پیروی کرو - جو ایک خدا کا ماننے والا تھا - اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا ❖

سورۂ انعام میں خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول فرمایا ہے "۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین " (آیت ۷۶) یعنی میں نے اپنا مُنہ اُس کی طرف پھیرا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اُسی کا ماننے والا ہوکر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ❖

اور سورہ انعام میں دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے " قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملة ابراھیم وما کان من المشرکین "۔ (آیت ۱۶۲) یعنی اے پیغمبر کہدے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے سیدھے رستہ کی ہدایت کی ہے - یعنی صحیح مذہب کی جو ابراہیم کا مذہب تھا - اور جو ایک خدا کا ماننے والا تھا - اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا ❖

سورۂ یونس میں خدا نے فرمایا ہے " وان اقم وجھك للدین حنیفا ولا تکونن من المشرکین "۔ (آیت ۱۰۵) یعنی مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنا مُنہ مذہب کی طرف سیدھا رکھ ایک خدا کا ماننے والا ہوکر اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو ❖

سورۂ نحل میں خدا نے فرمایا ہے "۔ ان ابراھیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یك من المشرکین (آیت ۱۲۱) یعنی ابراہیم ایک بزرگ تھا خدا کی عبادت کرنے والا اور ایک خدا کے ماننے والا اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا ❖

سورۂ نحل میں دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے " ثم اوحینا الیك ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین " (آیت ۱۲۴) یعنی پھر ہم نے تیرے پاس وحی بھیجی کہ مذہب ابراہیم کی پیروی کر جو ایک خدا کا

ماننے والا تھا۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھا +

سورۂ حج میں خدا نے فرمایا ہے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور حنفاء اللہ غیر مشرکین"۔ (آیت ۳۱ و ۳۲) یعنی تم بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو اور جھوٹی باتوں سے بچتے رہو ایک خدا کے ماننے والے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے والے ہو کر +

سورۂ بینہ میں خدا نے فرمایا ہے "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء و یقیموا الصلوٰۃ و یوتوا الزکوٰۃ و ذلک دین القیمہ"۔ (آیت ۴) یعنی اُن کو یہی حکم ہوا تھا کہ خدا کی عبادت کریں خالص اُس کے لئے اور بندگی کریں اُس کی مخلص ہو کر۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مذہب ٹھیک ہے +

پس بت پرستی کے مذہب کو مذہب حنیف قرار دینا نہایت بڑی غلطی ہے +

ولادت مسیح کے متعلق

ایک چٹھی اور اُس کا جواب

لاہور نمبر ۱۲۵ مورخہ ۱۹ - جولائی ۱۸۹۸ء

جناب منشی صاحب خدا آپ کی عمر میں برکت دے!

کچھ عرصہ ہوا ہے کہ میں نے سید السادات اعنی سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ والغفران کی خدمت بابرکت میں جن کی وفات سے وہ صدمہ ہوا ہے جس کا بیان قلم اور زبان سے ہونا مشکل ہے ایک خط روانہ کیا تھا۔ اُس کا جواب اُنھوں نے پشتِ خط پر لکھ بھیجا تھا +

ایک مقدس مقولہ ہے کہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ جس کو کوئی چیز پیاری لگتی ہے۔ وہ اکثر اُس کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اسی بناء پر میں اُس خط کو مع جواب کے ذیل میں نقل کر کے مترصد ہوں کہ آپ اپنے اخبار چودھویں صدی میں چھاپ کر نہ صرف میرا بلکہ اُن سب اصحاب کا جو سید مرحوم ومغفور کے طریق استدلال کو پسند رکھتے اور اُن کی قرآنی تفسیر کی میری طرح نہایت دل وجان سے قدر و منزلت کرتے ہیں۔ شکرگذاری کا موقع حاصل کرینگے + والسلام

وھو ھذا

بارود خانہ۔ لاہور نمبر ۹۸ مورخہ ۲۹ - جنوری ۱۸۹۸ء

حکیم امت سلمہٗ ربّہٗ!

حضرت عیسیٰ و یحییٰ کی پیدائش کا ذکر قرآن شریف میں باہم بیان ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران اور مریم کے دیکھنے سے یہ امر بخوبی واضح ہے اور لطف یہ ہے کہ الفاظ بھی یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کی بشارت و پیدائش کے بیان میں مماثل و مشابہ ہیں۔ میں یہاں ان آیات کو جن میں زکریا اور مریم کی بشارتوں اور یحییٰ اور عیسیٰ ع کی پیدائش کا ذکر ہے بالمقابل لکھتا ہوں :-

زکریا کو بشارتیں

فنادته الملئكة وهو قائم يصلی فی المحراب ان الله یبشرك بیحیی مصدقا بکلمة من الله وسیدا وحصورا ونبیا من الصالحین ۔ قال رب انی یکون لی غلام وقد بلغنی الکبر وامرأتی عاقر ۔ قال کذالك الله یفعل مایشاء ۔

(آل عمران)

کهیعص ۔ ذکر رحمة ربك عبده زکریا ۔ اذ نادی ربه نداء خفیا ۔ قال رب انی یکون لی غلام وکانت امرتی عاقرا وقد بلغت من الکبر عتیا ۔ قال کذلك قال ربك هو علی هین وقد خلقتك من قبل ولم تك شیئا

(سورۂ مریم)

مریم کو بشارتیں

واذ قالت الملئکة یا مریم ان الله اصطفك وطهرك واصطفك علی نساء العالمین ۔ یا مریم اقنتی لربك واسجدی وارکعی مع الراکعین ۔ اذ قالت الملئکة یا مریم ان الله یبشرك بکلمة منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم وجیها فی الدنیا والآخرة ومن المقربین ۔ ویکلم الناس فی المهد وکهلا ومن الصالحین ۔ قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر ۔ قال کذلك الله یخلق ما یشاء ۔ اذا قضی امرا فانما یقول له کن فیکون ۔ (آل عمران)

فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا ۔ قالت انی اعوذ بالرحمن ان کنت تقیا ۔ قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اك بغیا ۔ قال کذلك قال ربك هو علی هین ولنجعله آیة للناس ورحمة منا وکان امرا مقضیا ۔ (سورۂ مریم)

یحییٰ کو خدا کہتا ہے

یٰیحییٰ خذ الکتاب بقوۃ و اٰتینٰه الحکم صبیًا۔ وحنانا من لدنا و زکوۃ وکان تقیا۔ وبرا بوالدیه ولم یکن جبارًا عصیًا۔ وسلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا۔ (مریم)

عیسےٰ خود کہتا ہے

انی عبد الله اٰتٰنی الکتاب وجعلنی نبیا۔ وجعلنی مبارکا این ما کنت واوصنی بالصلوۃ والزکوۃ مادمت حیا۔ وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا۔ والسلم علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا۔ (مریم)

مخطط سطور میں سے غور کرنے کے قابل دو مقام ہیں یحییٰ کے لئے۔ کذلك الله یفعل ما یشاء عیسےٰ کی نسبت کذلك الله یخلق ما یشاء۔ فعل اور خلق میں ضرور فرق ہے۔ قطع نظر اس کے یحییٰ کی نسبت الفاظ ہیں برا بوالدیه اور حضرت عیسےٰ کہتے ہیں برا بوالدتی۔ اس اعتراض کا جواب کیا ہوگا کہ اگر ان کا باپ ہوتا تو والدہ کو منفرد نہ کرتے۔ اور کہتے برا بوالدیّ ✦

میں نے بہت دفعہ تفسیر القرآن کو غور سے پڑھا۔ ان الفاظ پر اس میں بحث نہیں پائی۔ باقی آیتیں تو بیشک صاف ہیں۔ لیکن اس کا جواب بالضرور آپ کے ذمہ ہے ✦

کئی برس گذرے ہیں یہی سوال میں نے ایک لائق اور صاحب تصانیف شخص سے کیا تھا۔ اور سوائے سکوت کے ان سے کچھ بن نہ پڑا۔ ایسے ہی اور کئی مقام ہیں جہاں میرا فہم اور ادراک عاجز ہے۔ اور آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ یہ بھی سچ ہے۔ کہ جناب کو نہایت ہی ضروری کام اور بہت سے سرانجام کرنے ہوتے ہیں۔ مگر میں بھی فہم قرآن کے واسطے اس قدر بیتاب اور مشتاق ہوں کہ میرا دل ہی جانتا ہے ✦

آج کل لاہور میں ایک مولوی صاحب جو پنجاب کے ایک کونے کے متوطن ہیں بغرض چھپوانے تفسیر کے جس کو ساتھ تالیف بھی کرتے جاتے ہیں آئے ہوئے

ہیں۔ بہ نسبت احادیث کے جس طرح عام غیر مقلدین (یا جس لقب سے کہ یہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور سچا نے جاتے ہیں عاملین بالحدیث) کا حال ہے یہ شخص بہت کچھ قرآن کی تعظیم کرتا اور قابل سند بتاتا ہے +

میں ایک روز مع چند احباب کے اس کے دیکھنے کو گیا۔ اور بعض مقامات قرآن کی تفسیر پوچھی جن میں سے ایک مقام یہ تھا۔ ولقد همت به وهم بها لولا ان لا برهان ربه (سورت یوسف) اس کے معنی مولوی صاحب نے مفسرین پر کلمات افسوس کہکر وہی کئے جو میں عہد طفولی سے سمجھے ہوا ہوں۔ (ذالک فضل الله علی) یا یہ کہ قریب قریب جیسا کہ جناب نے تفسیر کی ہے +

زاں بعد ولادت مسیح ع پر گفتگو ہوئی۔ اس پر انہوں نے پُرانا دقیانوسی خیال ظاہر کیا۔ غرض میں کل تو نہیں اگلے یکشنبہ کو اُن کے پاس جاؤنگا۔ چونکہ مجھے خود بھی برابوالدیہ اور برابوالدتی دل میں کھٹکتا ہے۔ لہذا مصدع اوقات گرامی ہوں۔ کہ اس کا جواب بہت جلد تحریر کریں +

میرا خیال تھا۔ اور شاید ٹھیک بھی تھا کہ بروقت تفسیر کرنے سورۂ مریم کے آپ ان الفاظ پر بحث کرینگے۔ چونکہ تفسیر کا چھاپا جانا ملتوی کیا گیا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اس آیت کی تفسیر فرما کر اجر حاصل کرینگے + والسلام

ہیں ہوا آپکا تابعدار اخلاص شعار۔ احمد بابا مخدومی۔ کلرک دفتر لوکو سپرنٹنڈنٹ ریلوے لاہور

جواب

جناب مخدومی!

حضرت عیسےٰ علیہ السلام تمام لوگوں میں ابن مریم کرکے مشہور تھے اسی شہرت کے اعتبار سے قرآن مجید میں بھی ان کو ابن مریم سے تعبیر کیا ہے۔ بہت لوگ اسی طرح اپنی ماں کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ پس قرآن مجید میں جس طرح ابن مریم کہا گیا ہے بربوالدتی کہا ہے۔ اس لفظ سے یہ سمجھنا کہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا۔ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کیا سادات کو جو بنی فاطمہ کرکے مشہور ہیں۔ آپ بن باپ کا پیدا ہوا خیال فرماتے ہیں؟

والسلام

خاکسار

(دستخط) سید احمد۔ علی گڈھ۔ ۳۱۔ جنوری ۱۸۹۸ء

منتہی الکلام فی بیان مسائل الاسلام

جو لوگ مذہب اسلام کی مخالفت اور اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں وہ زیادہ تر ان کتابوں پر متوجہ ہوتے ہیں۔ جو کتب احادیث و تفاسیر و کتب سیر نام سے مدون ہیں۔ اور جن کو خود اہل اسلام نے لکھا ہے۔ اور جب کوئی مسلمان ان احادیث کی تنقیح کرتا ہے اور کسی کو مقبول اور کسی کو مردود قرار دیتا ہے۔ یا تفاسیر اور سیر کی کتابوں کے مضامین کو غلط ٹھیراتا ہے۔ تو اس پر مذہب اسلام کی طرفداری کا الزام لگاتے ہیں +

وہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا کتابوں میں ایسی باتیں بھی پائی جاتی ہیں جو

(۱) خود قرآن مجید کے بھی برخلاف ہیں اور

(۲) ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو تاریخ محققہ اور مشہورہ کے متناقض ہیں اور

(۳) ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کو حس اور مشاہدہ جھٹلاتا ہے اور

(۴) ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کو عقل انسانی کسی طرح قبول نہیں کرتی۔ اس قسم کی روایتوں سے جو مسلمان انکار کرتے ہیں اور ان کو غلط ٹھیراتے ہیں۔ اس سے ان کا صاف مطلب یہ پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی صداقت ظاہر کرنے کو اس کے مخالف جو حدیثیں اور روایتیں ہیں اس سے انکار کریں اور تاریخ محققہ و مشہورہ اور حس و مشاہدہ اور عقل انسانی کے برخلاف جو حدیثیں اور روایتیں ہیں۔ اس سے اس لئے انکار کرتے ہیں کہ مذہب اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پائے اور تعجب یہ ہوتا ہے کہ

(۵) ایسی حدیثوں اور روایتوں کو جن سے بانئے اسلام کے مناقب پائے جاویں تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن سے بانئے اسلام پر کسی قسم کی منقصت لازم آتی ہے۔ اس کو نہیں مانتے +

(۶) اور جو حدیثیں اور روایتیں وقار نبوت کے برخلاف ہیں اُن کو بھی نہیں مانتے اور کوئی عقلی دلیل اس بات کی نہیں بیان کر سکتے کہ کیوں ان حدیثوں اور روایتوں کو مانا ہے۔ اور کیوں ان روائتوں اور حدیثوں کو نہیں مانا۔ اگر اس ماننے اور نہ ماننے کی بنا عقائد مذہبی پر ہے تو وہ شخص جو مذہب اسلام کو نہیں مانتا قبول نہیں کر سکتا بلکہ ان کے ماننے اور نہ ماننے کے لئے ایسی عقلی اور روشن دلیل چاہیئے۔ جس کو غیر مذہب والا بھی مان سکے ؛

یہ قول تو مخالفین مذہب اسلام کا ہے مگر ہم اس پر یہ اور زیادہ کرتے ہیں کہ جب کسی راوی کی ایک روایت یا کسی حدیث کی کتاب کی کوئی حدیث یا کسی محدث یا مفسر یا عالم یا مجتہد کے قول کو صحیح مانا جاتا ہے تو جب اسی راوی کی دوسری روایت یا اسی حدیث کی کتاب کی دوسری حدیث یا اسی مفسر یا محدث یا عالم یا مجتہد کے دوسرے قول کو غلط قرار دیا جاتا ہے۔ تو خود مسلمان ہی معترض ہوتے ہیں کہ کیوں اس راوی کی روایت اور اس حدیث کی کتاب کی حدیث کو اور اسی محدث یا مفسر یا عالم یا مجتہد کے قول کو صحیح مانا تھا۔ اور اب کیوں اسی راوی کی روایت اور اسی حدیث کی کتاب کی حدیث اور اس محدث یا مفسر یا عالم یا مجتہد کے دوسرے قول کو غلط مانا جاتا ہے ؛

ہم ان امور کی نسبت جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی بنیاد عقائد مذہبی پر رکھنی نہیں چاہتے بلکہ ایسے عام واقعات پر مبنی کرنا چاہتے ہیں کہ جن سے ہماری دانست میں کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا ؛

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو واقعہ کسی زمانہ میں گذرتا ہے بشرطیکہ وہ واقع ایسا ہو کہ آئندہ زمانہ کے لوگ اس کے تذکرہ میں مشغول رہتے ہوں۔ اور اس کا چرچا قائم رکھتے ہوں۔ تو جس قدر زمانہ گذرتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس میں زائد باتیں جو اس واقع میں درحقیقت نہیں ہوئیں ملتی جاتی ہیں۔ دنیاوی واقعات میں ایسا کم ہوتا ہے بلکہ نہیں ہوتا۔ کہ آئندہ زمانہ کے لوگ مدت دراز تک اس کے تذکرے اور چرچے میں مشغول رہتے ہوں۔ اور یہی سبب ہے کہ تاریخانہ واقعات میں جو بادشاہو اور سلطنتوں اور ملکوں کے حالات میں لکھے جاتے ہیں۔ ایسی زائد اور بے اصل باتوں کا

میل کمتر ہوتا ہے۔ مگر واقعات مذہبی ایسے قسم ہوتے ہیں جن کا تذکرہ اور چرچا زمانہ دراز تک قائم رہتا ہے۔ بلکہ برابر چلا جاتا ہے۔ اس لئے زائد اور بے اصل باتیں ان واقعات میں شامل ہوتی جاتی ہیں۔ مذہب اسلام بھی اس عام قاعدہ سے بری نہیں رہا بلکہ اس میں ایسے اسباب پیش آئے کہ اس میں زائد اور بے اصل باتوں کے شامل ہونے کے زائد اسباب تھے۔

رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد جہاں تک ان واقعات کا جو آنحضرت کے زمانہ میں گذرے۔ اور ان اقوال و افعال کا جو آنحضرتؐ نے فرمائے یا کئے سب کا زبانی روائتوں پر مدار تھا۔ اور اس میں زائد بے اصل باتوں کے شامل ہونے کے بہت سے اسباب موجود تھے۔

اول۔ امتداد زمانہ ہی اس بات کا مقتضی تھا کہ زائد اور بے اصل باتیں اس میں شامل ہوتی جاویں۔

دوم۔ ان باتوں کو گو وہ زائد اور بے اصل ہی ہوں۔ لوگ زیادہ پسند کرتے تھے۔ جن سے تقدس اور تفوق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مترشح ہوتا تھا۔

سوم۔ جو راوی اس زمانہ کے واقعات کو یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو روایت کرتے تھے۔ وہ نہایت مقدس معزز و مکرم لائق ادب سمجھے جاتے تھے۔ جس نے بہت لوگوں کو صحیح و غلط روایت کرنے پر اور موضوع و بے اصل روایت بنا لینے پر راغب کیا تھا۔

چہارم۔ راویوں کا اُن واقعات کے اسباب کے سمجھنے میں جن کے سبب سے وہ واقعات پیش آئے تھے غلطی کرنا اور اس کا ایسا سبب قرار دینا جو واقعی نہ تھا۔

پنجم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا اس کے مطلب اور مقصد اور منشاء کے سمجھنے میں غلطی کرنا اور اس کا ایسا مطلب قرار دینا جو مقصود نہ تھا۔

ششم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری بات سُنی بغیر صرف

اسی قدر کو روایت کر دینا جس قدر کہ ادھوری بات سنی تھی ÷

ہفتم۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہودیوں اور عیسائیوں اور عرب جاہلیت کے حالات اور عقائد یا واقعات کا بھی تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ مگر سننے والے نے یہ سمجھا کہ ان باتوں کو خود رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور اس کو آنحضرت کے فرمودہ کے طور پر روایت کر دیا ÷

ہشتم۔ ایک غلط افواہ کا لوگوں میں مشہور ہو جانا۔ اور پھر اس کا بطور روایت کے بیان ہونا ÷

نہم۔ آپس میں تنازعات کا ہونا۔ اور ہر ایک گروہ کا اپنے مقصد کے موافق روایتوں کا بنانا۔ اور روایت کرنا ÷

دہم۔ مختلف عقائد پر لوگوں کا ہو جانا۔ اور اپنے اپنے عقائد کی تائید میں روایتوں کا بیان کرنا ÷

یازدہم۔ بددیانت لوگوں کا امراء و سلاطین کے خوش کرنے کو جھوٹی روایتوں کا بیان کرنا ÷

دوازدہم۔ منافقین اور مخالفین مذہب کا جھوٹی روایتوں کو شائع کرنا۔ یا اصلی روایتوں میں کمی و بیشی کر دینا ÷

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مدت دراز تک زبانی روایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس وقت منقطع ہوا جب کہ معتد بہ کتابیں حدیث کی لکھی گئیں مگر اس بات کو فراموش کرنا نہیں چاہئے کہ جس قدر حدیث کی کتابیں لکھی گئیں ان کی بنیاد انہیں زبانی روایتوں پر مبنی تھی ÷

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محدثین نے خدا انپر رحمت کرے جہاں تک کہ ان سے ہو سکا کسی نے کم اور کسی نے بہت زیادہ اس بات میں کوشش کی کہ صحیح روایتوں کو اپنی کتاب میں جمع کریں۔ چنانچہ موطا امام مالک اور بخاری و مسلم نے اور اس کے بعد ترمذی۔ سنن ابو داؤد۔ سنن نسائی اور ابن ماجہ نے اس میں بہت کامیابی حاصل کی اور علما نے ان کتابوں کو قبول کیا اور ان کی شرح لکھنے اور مقامات مشکلہ کے حل کرنے میں متوجہ ہوئے ÷

ان کی کوشش کا زیادہ تر بلکہ بالکلیہ راویوں کے معتبر اور نا معتبر ہونے پر مدار تھا مگر جن لوگوں کو مرے ہوئے ایک زمانہ گذر گیا تھا ان کے معتبر یا نا معتبر ہونے کو اس طرح پر تحقیق کرنا جس پر یقین کامل ہو اگر نا ممکن نہ تھا تو نہایت مشکل ضرور تھا۔ مگر اس حدیث کے مضامین کے لحاظ سے اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر ان لوگوں کو کچھ خیال نہ تھا ٭

اس زمانہ میں جس قدر مذاہب موجود تھے کیا یہودی اور کیا عیسائی اور کیا آتش پرست اور کیا بت پرست سب کے سب سپرنیچرل یعنی مافوق الفطرت واقعات کے واقع ہونے کے قایل تھے اور یہودی اور عیسائیوں میں ایسے واقعات کثرت سے مشہور تھے اور مسلمان خدا کو قادر مطلق یقین کرتے تھے۔ جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ خدا ایسے امور کے کرنے پر بھی مختار رہے جو مافوق الفطرت ہوں۔ اس لئے جو روایتیں اور حدیثیں ایسی ہوتی تھیں۔ جن میں واقعات مافوق الفطرت کا بیان ہوتا تھا۔ ان کو بلا کسی شبہ اور تردد کے حدیث کی کتابوں میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ غرضیکہ تمام کتب احادیث اور بالتخصیص کتب تفاسیر اور سیر اس قسم کی روایات کا مجموعہ ہیں۔ جن میں صحیح اور غیر صحیح اور قابل تسلیم اور نا قابل تسلیم حدیثیں اور روایتیں مندرج ہیں ٭

یہ سب باتیں جو ہم نے بیان کیں تاریخانہ واقعات ہیں جو اسلام پر گذرے ہیں اور کوئی بات اس میں ایسی نہیں ہے کہ سوائے معتقدین اسلام کے اور کوئی اسکو تسلیم نہ کرتا ہو۔ اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص کسی مذہب کا ہو بشرطیکہ وہ تاریخی واقعات سے واقف ہو۔ ان واقعات کے صحیح ہونے سے انکار نہیں کر سکتا ٭

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایک محقق کو جو یہ چاہتا ہو کہ ان حدیثوں اور روایتوں میں سے صحیح کو غیر صحیح سے تمیز کرے عقلاً بغیر پابندی مذہب کے کیا کرنا لازم ہے؟ عقل یہ حکم کرتی ہے کہ سب سے اول اس کا یہ کام ہوگا۔ کہ اسی زمانہ کی ایسی تحریر کو تلاش کرے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہو لکھا ہو۔ تاکہ اُس سے اُن زبانی روایتوں کا مقابلہ کرے اور جس زبانی روایت کو اس تحریر کے مخالف یا متناقض پاوے اسکو

غلط قرار دے۔

ایسی تحریر بجز اس کتاب کے جس کو مسلمان قرآن مجید کہتے ہیں اور کوئی نہیں ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید اس زمانہ کے رواج کے موافق لکھا جاتا تھا۔ اور وہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔ بعد انتقال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں ایک جا جمع ہوا جس میں بہت سے اقوال اور احکام رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اور چند واقعات جو اس زمانہ میں واقع ہوئے مندرج ہیں۔ نعوذ باللہ اس کو کتاب منزل من اللہ نہ مانو۔ مگر کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ کتاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور کم سے کم یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب تر ین زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ پس اگر کوئی زبانی روایت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہو۔ اور اس کتاب کے اقوال اور احکام اور واقعات مندرجہ کے خلاف یا متناقض ہو تو بلا لحاظِ مذہب عقل اس بات کی مقتضی ہے کہ اس زبانی روایت کو غلط سمجھا جاوے اور مذہب اسلام میں سے اس کو اسی طرح نکال کر پھینکدیا جاوے جس طرح دودھ میں سے مکھی نکال کر پھینکدیجاتی ہے۔ اور یہی عقلی اصول مذہب اسلام میں ٹھیرا ہے کہ جو حدیث یا روایت قرآن مجید کے برخلاف یا اس کے متناقض ہو۔ اس کو نامقبول اور مردود کیا جائے پس ہمارا ایسا کرنا اس مطلب سے نہیں ہے۔ کہ قرآن مجید کی صداقت میں (جو ہمارے نزدیک بلا شبہ صادق ہے) کچھ فرق نہ آوے بلکہ ہر انسان ایسا ہی کریگا جیسا کہ ہم کرتے ہیں۔

ایسا کرنے میں ہم نے قرآن مجید کے ساتھ کوئی عجیب کام نہیں کیا۔ بلکہ ایسا ہی کام کیا ہے۔ جو عموماً ایسی حالت میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے پاس تزک تیموری۔ تزک بابری تزک جہانگیری۔ جو خود ان بادشاہوں کی لکھی ہوئی ہیں یا ایسی تاریخیں جو ہم عہد مصنفوں نے لکھی ہیں موجود ہیں۔ اب ہم کو ایک زبانی روایت پہنچی۔ جو بالکل مخالف یا متناقض اُن حالات کے ہے جو ان کتابوں میں مندرج ہیں۔ تو ہم بلا شبہ اس زبانی روایت کو غلط اور مردود قرار دینگے۔ پس کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں ایسی زبانی حدیث یا روایت کو جو قرآن مجید کے مخالف یا متناقض ہے۔ مردود اور نامقبول

نہ قرار دیں۔ پس یہ خیال کہ ہم قرآن مجید کی صداقت قائم رکھنے کو اُن زبانی روایتوں سے انکار کرتے ہیں۔ کیسا لغو اور بیہودہ اور بے اصل خیال ہے۔

دوسرے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تو کوئی ایسی بات جو تاریخ محققہ اور مشہورہ کے برخلاف ہو۔ پائی نہیں جاتی۔ ہاں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بعض قصص جو یہودیوں اور عیسائیوں میں یا عرب جاہلیت میں مشہور تھے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ مگر جو فضول اور زائد اور بے اصل باتیں اُن قصص مشہور میں شامل تھیں اور جو عقلاً بھی غلط معلوم ہوتی تھیں۔ وہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ گو کہ مفسروں نے اپنی تفسیروں میں اُن کو بھی داخل کر لیا ہو۔

باقی رہیں وہ حدیثیں اور روایتیں جو زبانی بیان پر مبنی ہیں۔ اگر کسی تاریخ محققہ کے برخلاف ہیں تو یہ برخلافی اُن کے نامعتبر ہونے کی دلیل کافی ہے اور وہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب کی گئی ہیں۔ تو اول اس بات کا کافی ثبوت ہونا چاہیئے۔ کہ درحقیقت اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ دوم اس بات کا ثبوت چاہیئے۔ کہ جو لفظ راویوں نے بیان کئے ہیں وہی لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے تھے۔ تیسرے اس بات کا ثبوت چاہیئے۔ کہ جو معنی ان لفظوں کے شارحین و مفسرین نے بیان کئے ہیں ان کے سوا اور کوئی معنی ان کے نہیں ہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک امر بھی نہیں ہے تو اس روایت کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

تیسرے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی حدیث جس کو صحیح طور پر حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کہہ سکیں معلوم نہیں ہے جو حس اور مشاہدہ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی روایت ایسی ہو اور اس کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے نسبت کیا ہو۔ تو جب تک وہ تینوں امر ثابت نہ ہوں جن کا ابھی ہم نے بیان کیا ہے اُس وقت تک اُس کو حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔ پس یہ خیال کرنا کہ ایسی روایتوں سے ہمارا انکار کرنا اس لئے ہے کہ مذہب اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ کس قدر غلط اور ناواجب ہے۔

چوتھے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ حدیث کی کتابوں میں ایسی حدیثیں مندرج ہیں۔ جو عقل انسانی کے برخلاف یا ما فوق الفطرت ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ واقعات ما فوق الفطرت کے واقع ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ اور تمام مذاہب معتقد بھی اس کو تسلیم کرتے تھے۔ پس یہ اعتراض ایسا عامۃ الورود ہے کہ کوئی شخص جو کسی مذہب کا معتقد ہو۔ خواہ یہودی مذہب کا خواہ عیسائی مذہب کا یا اور کسی مذہب کا اس اعتراض سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن جب کوئی محقق بنظر تحقیق ان پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا ہے کہ ان کا ما فوق الفطرت یا خلاف عقل ہونا اس کے نامعتبر اور ناقابل قبول ہونے کو کافی ہے ٭

خود علماے علم حدیث نے احادیث موضوع کے امتیاز کرنے کو جو قاعدے بنائے ہیں۔ ان میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جس حدیث میں ایسے امور مذکور ہوں جو ما فوق الفطرت یا خارج از عقل ہوں تو وہ حدیث نامعتبر اور موضوع ہے۔ مگر محدثین اس قاعدہ کو ان حدیثوں پر جاری نہیں کرتے جو کتب مشہور احادیث میں اور خصوصاً اُن سات کتابوں میں مندرج ہیں۔ جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں۔ مگر ایک محقق اس بات کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ کیوں اس قاعدہ کو ان حدیثوں کی کتابوں پر جاری نہ کیا جاوے۔ اگر ان امور سے قطع نظر کیجاوے تو انہیں تینوں باتوں کا ثبوت درکار ہوگا جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں۔ یعنی یہ کہ درحقیقت اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اور جو لفظ راویوں نے بیان کئے ہیں وہی لفظ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے اور جو معنی ان لفظوں کے شارحین اور مفسرین نے اختیار کئے ہیں ان کے سوائے اور کوئی معنی ان لفظوں کے نہیں ہیں۔ اگر ان میں سے پہلی دو باتیں ثابت نہ ہوسکیں تو اس کو حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اگر تیسری بات ثابت نہ ہوسکے تو محقق ان معنوں کا پابند نہیں ہوسکتا۔ جو شارحین اور مفسرین نے قرار دئے ہیں۔ پس ایسی حدیثوں سے انکار کرنے پر یہ کہنا کہ اس لئے ان سے انکار کیا گیا ہے۔ کہ مذہب اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پاوے۔ کیسا غلط اور بے جا اعتراض ہے ٭

پانچویں امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ جن حدیثوں یا روایتوں میں آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان ہوتے ہیں وہ خود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہوتا صحابہ کے اقوال ہوتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے ہیں پس جو کچھ اُن میں بیان ہوا ہے وہ رائے اُن بیان کرنے والوں کی ہے پس کسی کو حق نہیں ہے کہ یہ کہے کہ یہ رائے اس بیان کرنے والے کی نہیں ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ وہ حدیثیں بطور راس اوی کی رائے کے تسلیم کی جاویں ✦

حدیث یا تفسیر یا سیر کی کتابوں میں ہم کوئی روایت ایسی نہیں پاتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ منقصت کی ہو۔ یا کسی شخص نے جو آنحضرت کی رسالت اور اسلام کی حقیقت کا مقر ہو ایسی روایت بیان کی ہو۔ اور اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ایسی روایت کا بیان کرنا صرف دو شخصوں کا کام ہے یا منافقوں کا یا کافروں کا۔ اور ظاہر ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں بسبب نفاق اور کفر کے جو مورث عداوت ہے کہتے ہیں اس لئے ضرور ہے کہ اُس کو مردود سمجھا جائے۔ ایسا کرنے میں ہم قاعدہ طبیعت انسانی سے کچھ زیادہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اس زمانہ میں بھی اگر کوئی کسی کا دشمن یا مخالف اس کی نسبت کوئی بات منقصت کی کہتا ہے تو اس کو نہیں مانا جاتا۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کہتا ہے پس ایسی بات کے تسلیم نہ کرنے میں ہم عام طبیعت انسانی سے کچھ زیادہ نہیں کرتے ✦

چھٹے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم ایسی روایتوں کو بھی نہیں مانتے جو وقار نبوت کے برخلاف ہوں۔ ایسا کرنے میں بھی ہم عام طبیعت انسانی کے برخلاف نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم نے بہت سی قطعی دلیلوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو افضل ترین خلق تسلیم کر لیا ہے اور رسول خدا بھی مانا ہے تو ایسے امور کو جو اُس وقار کے برخلاف ہوں۔ ہرگز تسلیم نہیں کرتے ایسا کرنے میں بھی ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے جو عموماً کیا کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی جس شخص کو ہم عمدہ خصلت اور صاحب دیانت ذی وقار سمجھ لیتے ہیں تو اگر کوئی شخص ایسا امر بیان کرے جو اس کے وقار کے شایاں نہ ہو۔ تو اس کو بھی ہم تسلیم نہیں کرتے۔ پس اگر ہم نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی ایسا کیا تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے ✦

محدثین نے حدیث کے روایت کرنے میں تین لفظ اختیار کئے ہیں۔ اخبرنا۔ اور انبانا۔ اور عن پہلے دو لفظ تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پچھلے راوی نے پہلے راوی سے خود وہ روایت سُنی ہے۔ مگر عن کے لفظ سے یہ لازم نہیں ہے کہ پچھلے راوی نے پہلے راوی سے وہ روایت سنی ہو۔ اور ممکن ہے کہ نہ سنی ہو۔ بلکہ اس پچھلے راوی اور اس کے اوپر کے راوی میں اور لوگ بھی ہوں جن کے نام چھوٹ گئے ہوں۔ اور ایسی بھی حدیثیں ہیں جن کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچی۔ بلکہ صرف صحابہ یا تابعین اور تبع تابعین تک پہنچی ہے اگر ایسی حدیثوں میں ایسے مضمون ہوں جن پر کوئی جرح وقدح نہیں ہو سکتی۔ یعنی از روے درایت کے وہ مضمون غلط نہیں معلوم ہوتے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان حدیثوں کے قبول کرنے سے انکار کریں ٭

تفسیروں اور سیر کی کتابوں میں خواہ وہ تفسیر ابن جریر ہو یا تفسیر کبیر وغیرہ اور خواہ وہ سیرت ابن اسحق ہو خواہ سیرت ابن ہشام اور خواہ وہ روضۃ الاحباب ہے یا مدارج النبوۃ وغیرہ ان میں تو اکثر ایسی لغو اور نامعتبر روایتیں اور قصے مندرج ہیں جن کا نہ بیان کرنا ان کے بیان کرنے سے بہتر ہے ٭

تعلیم

تعلیم سے ہماری مراد موافق عرف عام کے لکھنا پڑھنا سیکھنے سے ہے ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں آدمی مختلف مقاصد سے لکھنا پڑھنا سیکھتے رہے ہیں ؛

عام مقصد جس کے سبب سے تعلیم پر توجہ ہوتی ہے خواہ تعلیم پانے والے خود اس پر متوجہ ہوں یا اطفال کے مربیوں نے اطفال کی تعلیم پر توجہ کی ہو یہ ہے کہ اُن کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہوتی ہے کہ ایک جاہل کندہ ناتراش سے لکھا پڑھا آدمی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور وہ تعلیم جس درجہ کی ہوئی ہو زندگی کے کاروبار میں اُس کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہوتی ہے ؛

اُن تعلیم پانے والوں میں لاکھوں آدمی تو ایسے ہوتے ہیں کہ ادنے درجہ تعلیم تک پہنچکر اور کچھ متوسط درجہ کی تعلیم تک پہنچکر رہ جاتے ہیں۔ اور چند ایسے ہوتے ہیں۔ کہ متوسط درجہ کی تعلیم سے آگے بڑھتے ہیں اور اپنے مذاق کے موافق علم کی شاخوں میں سے کسی شاخ کی تکمیل پر مائل ہوتے ہیں۔ کوئی شاعر بننا چاہتا ہے۔ کوئی ادیب۔ کوئی فلسفہ میں ترقی کرتا ہے۔ اور کوئی ریاضیات میں۔ اور کوئی دینیات میں۔ وعلےٰ ہذا القیاس۔ مگر ہر ایک کے ساتھ حصول معاش کا خیال لگا رہتا ہے اور جو کچھ وہ حاصل کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے۔ اس کو ذریعہ حصول معاش ضرور سمجھتا ہے ؛

تعلیم بغیر اس کے کہ اُس کے حاصل کرنے کے لئے کوئی زبان اختیار کیجاوے غیر ممکن ہے۔ جس زمانہ میں جس زبان کا عروج ہوتا ہے وہی زبان اس کے لئے اختیار کی جاتی ہے یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے کہ جس ملک میں جو زبان حکومت کرتی ہے اسی زبان کا عروج ہوتا ہے۔ خلفاے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں عربی زبان کا عروج تھا۔ ہر شخص اُسی زبان میں علوم کو سیکھنا چاہتا تھا ہندوؤں

کے زمانہ میں ہندوستان میں سنسکرت زبان کا عروج تھا۔ اسی کو لوگ اختیار کرتے تھے۔ جب مسلمانوں کی عملداری ہندوستان میں ہوئی تو فارسی زبان کا عروج ہُوا اور سب نے فارسی زبان میں تعلیم پانا اختیار کیا۔ اب ہندوستان میں انگریزی حکومت ہے۔ جس کی زبان انگریزی ہے اور اسی زبان کو عروج ہے اس لئے ہر شخص اسی زبان کے اختیار کرنے پر مائل ہے۔ ہاں مسلمانوں نے انگریزی زبان کے حاصل کرنے میں بہت کچھ کوتاہی کی۔ اس کے کچھ ہی سبب ہوں مگر اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی غلطی سے انگریزی زبان پڑھنے کو مخالف مذہب اسلام سمجھتے تھے۔ مگر جب سے یہ خیال کم ہوگیا یا دنیوی ضرورت نے انہیں مجبور کیا اسی وقت سے مسلمانوں نے بھی انگریزی زبان میں تعلیم اختیار کرنی شروع کردی ہے مگر بہت سے مسلمان مذہب کو دنیوی ضرورت سے مقدم سمجھتے ہیں اور اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اُن میں یہ خیال کہ انگریزی پڑھنی مذہب اسلام کے برخلاف ہے کم ہوگیا ہے ⁂

اکثر حکام کا اور نیز بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ لوگ صرف سرکاری نوکری حاصل کرنے کو انگریزی پڑھتے ہیں۔ مگر غور کرنے کی بات ہے کہ ہر سال ہندوستان کی یونیورسٹیوں سے سینکڑوں بی۔ اے اور ایم۔ اے ڈگری پاتے ہیں اور اُن کو یقین کامل ہوتا ہے کہ گورنمنٹ پاس اس قدر نوکریاں نہیں ہیں کہ وہ اس جم غفیر بی۔ اے اور ایم۔ اے ڈگری یافتوں کو دے سکے۔ پس یقینی ڈگری یافتہ طالب علموں کو اس کا یقین ہے کہ سب کو سرکاری نوکری نہیں مل سکتی۔ باوجود اس یقین کے جو وہ انگریزی پڑھنے پر مشغول ہیں تو ضرور ہے کہ سوائے ملازمت سرکاری کے اور کسی ذریعہ سے بھی ان کو معاش حاصل کرنے کا خیال ہے۔ یا اس بات کا یقین ہے کہ انگریزی پڑھا ہوا بن انگریزی پڑھے ہوئے سے دنیوی کاروبار کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔ بہر حال یہ بات غلط ہے کہ ہر ایک بی۔ اے اور ایم۔ اے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہے اور نہ ملنے کے سبب سرکار سے ناراض ہوتا ہے کیونکہ اس کو پہلے سے یقین ہے کہ سرکار سب کو نوکری نہیں دے سکتی۔ ہاں جب موقع ہوتا ہے تو ہر ایک سرکاری ملازمت ملنے کی

کوشش کرتا ہے جو اس کو ضرور کرنی چاہئے ✣

اس زمانہ کی تعلیم میں جو بذریعہ انگریزی زبان کے ہوتی ہے اور اگلے زمانہ کی تعلیم میں جو بذریعہ عربی زبان کے ہوتی تھی یہ فرق ہے کہ اگلے زمانہ میں تعلیم کا سامان ایسا موجود اور مہیا تھا کہ ہر شخص جو علم کی کسی شاخ میں یا شاخوں میں اس زمانہ کے موافق اعلےٰ درجہ کی تعلیم پانا اور اس فن کا ماسٹر ہونا چاہے تو ہو سکتا تھا۔ اور سوسیٹی جو اُس زمانہ میں موجود تھی اس تعلیم کی مدد کرتی تھی۔ اور اس پر عمدہ اخلاقی اثر ڈال کر اُس کو اس سوسیٹی کے لائق کر لیتی تھی۔ اگلے زمانہ کی سوسیٹی بلحاظ اخلاق اور حسن معاشرت کے ایسی عمدہ تھی کہ اُس میں کوئی نقص اس زمانہ میں بھی نہیں نکالا جا سکتا مگر افسوس ہے کہ زمانہ کے انقلاب کے ساتھ وہ قائم نہ رہی ✣

اس زمانہ کی تعلیم جو انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہندوستان میں ہوتی ہے اُس کے لئے کوئی ایسا سامان نہیں ہے کہ جو شخص کسی علم کی کسی شاخ میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم پانا چاہے تو اعلےٰ درجہ کی تعلیم پا کر اس فن کا ماسٹر ہو سکے۔ ہندوستان میں اعلےٰ تعلیم دینے والی وہ یونیورسٹیاں ہیں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ وہ بلاشبہ بی۔ اے اور ایم۔ اے کی ڈگریاں دیتی ہیں۔ مگر اُس تعلیم کو اعلےٰ تعلیم کہنا ہمارے نزدیک محض ناواجب ہے۔ بلکہ وہ علم کی بعض شاخوں میں اوسط درجہ کی تعلیم ہے اور بعض شاخوں میں ادنےٰ درجہ کی تعلیم کا رتبہ رکھتی ہے ✣

بالفعل جو باتباع احکام یونیورسٹیوں کے اس کے ماتحت کالجوں میں تعلیم دیجاتی ہے۔ وہ زیادہ تر کتابی اور دماغی تعلیم سے تعلق ہے۔ اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ ضرور وہی ہونا چاہئے جو مسٹر کرول نے اپنے لکچر میں بیان کیا ہے اور جس کو اودھ اخبار نے اردو زبان میں لکھا ہے انھوں نے فرمایا کہ "تعلیم کا منشا یہ نہیں ہے کہ چند آدمیوں کی دولت بڑھ جائے یا آنکہ غربا کے بمقابلہ باقی ماندہ اشخاص کی زیادہ رعایت کیجائے اور نہ تعلیم کا منشا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگ صرف اپنی باہمی محافظت کریں یا سوداگری اور تجارت ہی کو ترقی دیں۔ بلکہ تعلیم کی خاص غایت اور اصل منشا یہ ہے کہ لوگ نیک محض اور عمدہ قسم کے باشندے ہو جاویں۔ اور وہ خاموشی حاصل کریں جو زندگی کے بے داغ رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے اور لوگوں کے سوشیل اور

اخلاقی خصائل کی تکمیل کریں۔ اور اُن بھاری اور عمدہ کاموں کا حوصلہ دلائیں جن سے ملک کی عزت اور زینت ہوتی ہے"۔

سر ولیم میکورتھ ینگ نے جو ڈگری یافتہ طالب علموں کو مخاطب کرکے فرمایا اُس کا حاصل بھی وہی ہے جو مسٹر کرول نے اپنے لکچر میں کہا تھا۔ سر ولیم میکورتھ ینگ نے ڈگری یافتہ طالب علموں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "اُن کی ڈگریاں اس بات کے لئے ہیں کہ وہ اپنے یومیہ معاملات اور گفتگو میں معزز برتاؤ اختیار کریں اخلاق اور عمدہ تعلیم کی ترقی میں مدد دیں۔ سوشیل انتظام اور اپنے ہمجنسوں کی بہبودی کے قائم رکھنے میں کوشاں رہیں۔ المختصر ایک بھاری سلطنت کے سربرآوردہ شہریوں کے فرائض ادا کرتے رہیں"۔

مگر ہماری رائے میں اخلاقی تعلیم صرف کتابوں کی تعلیم سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ عمدہ سوسئیٹی اس کی تعلیم دیتی ہے۔ ہندوستان میں جو قدیم سوسئیٹی علما اور نیک خدا پرست رحم دل نیک خصلت لوگوں سے مرکب تھی وہ مدت ہوگئی کہ مردہ ہوگئی ہے اور نئی سوسائیٹی جو زمانہ حال کے موافق ہو اب تک قائم نہیں ہوئی یا مکمل نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ نتائج جس کا ذکر مسٹر کرول نے اپنے لکچر میں کیا یا سر ولیم میکورتھ ینگ نے ڈگری یافتہ طالب علموں سے خواہش کی حاصل نہیں ہوتی۔

ہم اس بات کو جیسا کہ اودھ اخبار نے لکھا ہے نہایت مفید اور ضروری سمجھتے ہیں کہ "اسکول ماسٹروں کو چاہیئے کہ اپنے شاگردوں کے نقش ذہن کرتے رہیں۔ کہ وہ اعلےٰ درجہ کا چلن اور شریفانہ الوالعزمیاں اختیار کریں۔ اور اسی طرح ہمارے کالجوں کے پروفیسروں کو بھی منجملہ ایسے لوگوں کے ہونا چاہیئے جن میں خیالات عالیہ پائے جاتے ہوں"۔ مگر ہماری رائے میں جب تک کہ خود اسی قوم کے چند لوگ اُس قوم کی سوسائیٹی کے مہذب کرنے پر آمادہ نہیں اور دلی سعی و کوشش نہ کریں۔ سوسئیٹی کی حالت درست نہیں ہوسکتی۔ اور یہی سبب ہے کہ باوجودیکہ کئی قرن گورنمنٹ کو ہندوستانیوں کو تعلیم دیتے ہوئے گذرے مگر اُن کی سوسئیٹی کی حالت اب تک درست نہیں ہوئی۔

نہایت مشکل یہ ہے کہ دنیا میں کسی قوم کی سوسئیٹی اور سوشیل حالت

ایسی نہیں ہے کہ جس میں ایسے امور بھی شامل نہ ہوں جن کی بنا غلط یا صحیح طور پر مذہبی
امور پر مبنی ہونی نہ کہی جاتی ہو۔ پس اگر وہ امور ترقی سوسیٹی کے مانع ہیں اور غلطی
سے اُن کی بنا مذہبی امور پر کہی جاتی ہے تو جب تک اُسی قوم کا کوئی شخص اُس
غلطی کو ظاہر نہ کرے اور اُس مانع کے رفع کرنے میں کوشش نہ کرے تو وہ رفع
نہیں ہو سکتی۔ غیر قوم کے شخص کا اُس امر مانع پر متنبہ کرنا گو وہ کیسا ہی سچ کہتا ہو
مخالف اثر پیدا کرتا ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ وہ شخص بہ سبب اختلاف قومی
یا مخالفت مذہب کے ایسا کہتا ہے۔ اگرچہ ہم قوم اور ہم مذہب والے پر بھی ہزاروں
شخص طرح طرح کے اتہام لگاتے ہیں اور اُس کی بات کی سماعت نہ ہونے پر کوشش
کرتے ہیں۔ اور گورنمنٹ تو ایسی کوئی بات جس سے مذہب میں مداخلت کرنے
کا شبہ بھی ہو اختیار نہیں کر سکتی۔ غرضکہ اخلاقی اور شریف النفسی کی تعلیم
عمدہ سوسیٹی پر منحصر ہے۔ اور انگریزی گورنمنٹ سوائے تعلیم دینے کے اور کوئی
طریقہ اختیار نہیں کر سکتی جس سے ہندوستانیوں میں سوسیٹی کی حالت اچھی ہو
اور عمدہ سوسیٹی اُن کی بن جاوے ✦

دماغی تعلیم جس کا ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا کچھ شبہ نہیں ہے کہ انسان کو انسان
اور اس کی عقلی اور دماغی قوتوں کے کامل اور اُس کے اخلاق کو عمدہ بنانے
میں بہت کچھ مدد کرتی ہے۔ مگر جب مسئلہ حصول معاش پر نظر کی جاتی ہے تو لوگ
کہتے ہیں کہ یہ یقینی امر ہے کہ محض علمی پیشوں میں حصول معاش کی ذرا بھی گنجائش
باقی نہیں رہی ہے اور اس لئے ان کا اور نیز ہمارے حکام کا اس طرف خیال جاتا ہے
کہ حرفت اور فن کی تعلیم کو جسے سینز اور ٹیکنیکل ایجوکیشن سے تعبیر کیا جاتا ہے
زیادہ وسعت دیجاوے ✦

ٹیکنیکل ایجوکیشن کے معنی تو ہم آج تک نہیں سمجھے کہ اُس سے کیا مراد ہے
اگر اس کی مراد حرفوں کی تعلیم سے ہے جیسے لوہاری۔ نجاری۔ نوربافی وغیرہ وغیرہ
تو اس کی ضرورت تو ہم ہندوستان میں بہت کم پاتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے
تعلیم یافتہ لوگوں کی کمی ہندوستان میں نہیں ہے۔ اگر یورپ کو یا اور کسی ملک
کو اس باب میں کچھ تفوق ہے تو وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ جو کام ہندوستان

میں ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ اُن ملکوں میں کلوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ مگر کلیں قائم کرنے والے وہ لوگ نہیں ہیں جو اُن میں کام کرتے ہیں۔ بلکہ کلوں کے قائم کرنے والی ایک جدا جماعت ہے۔ ہندوستان میں اگرچہ کہیں کہیں ایسی جماعتیں قائم ہوئی ہیں۔ مگر ہندوستان میں عام طور پر ایسی جماعتوں کا قائم ہونا ظاہرا بہت دور اور بعض وجوہ سے اگر ناممکن نہیں تو مشکل تو ضرور معلوم ہوتا ہے ❊

سینز[۱] بلاشبہ نہایت عمدہ چیز ہے اور سینز کا جاننے والا آج کل کے زمانہ میں قریب قریب ہر حرفت پر پورا پورا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور معاش حاصل کرنے کے لئے ایک نہایت عمدہ ذریعہ اُس کے پاس ہوتا ہے جیسا کہ یورپ کے ملکوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر یورپ کے ملکوں کا قیاس ہندوستان پر نہیں ہو سکتا۔ یورپ میں ہر قسم کے متعدد کارخانے موجود ہیں اور اس لئے یورپ کی یونیورسٹیوں میں سینز کی تعلیم دینا فائدہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ ہر قسم کے سینز جاننے والے کے لئے ہر قسم کے کارخانے موجود ہیں۔ جن میں وہ جا سکتا ہے اور اپنی معاش پیدا کر سکتا ہے۔ مگر ہندوستان میں اس قسم کے کارخانے نہیں ہیں اور نہ ابھی اُن کے ہونے کی توقع ہے پس سینز جاننے والا بجز اس کے کہ سینز کا عالم ہو کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور کوئی ذریعہ معاش کا حاصل نہیں کر سکتا۔ گورنمنٹ ڈاکٹری۔ انجنیری۔ نقشہ نویسی وغیرہ کی جو ٹیکنیکل ایجوکیشن یا سینز میں داخل ہیں بقدر ضرورت اس ملک کے تعلیم دیتی ہے اور اس ذریعہ سے وہ لوگ معاش بھی پیدا کرتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ تعلیم کی نہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں گنجائش ہے اور نہ وہ اُس تعلیم سے کچھ معاش پیدا کر سکتے ہیں ❊

بڑی ضرورت ہندوستان میں اعلےٰ درجہ کی دماغی تعلیم کی اور اخلاقی اور سوشیل حالت کی درستی کی ہے جو ابھی تک نہیں ہوئی یا پورے طور پر نہیں ہوئی۔ اُس کے بعد باقی امور لحاظ کے قابل ہیں۔ پس ہم کو مناسب نہیں ہے کہ ہم دفعتہً سب امور کا ہوا چاہیں۔ بلکہ جو کام ہم کو پہلے کرنا ہے اُس کو مقدم سمجھیں اور اس کے بعد جو کام کرنے ہیں وہ کریں ❊

---

[۱] علوم حکمیہ ۱۲

نا تمام

ازواجِ مُطہّرات

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حالات اور جو مختلف روایتیں اُن کی نسبت ہیں وہ سب کتب سیرۃ وتواریخ میں مندرج ہیں۔ ہم بہت سی روایتوں کی نسبت بتا سکتے ہیں کہ محض غلط اور نامعتبر ہیں مگر تین امر ایسے ہیں جن کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا ۔

اول یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کثیر الازواج تھے ۔

دوم یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج طاہرات اور ایک یا دو سرایا[1] تھیں اور حضرت خدیجہ سب سے پہلی زوجہ مطہرہ تھیں اور جب تک وہ زندہ رہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری کو اپنی زوجیت میں داخل نہیں کیا ۔

سوم یہ کہ بعد وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نو بیویاں زندہ تھیں صرف حضرت عایشہ رضؓ ایسی تھیں جن کا پہلے پہل آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد ہوا تھا۔ باقی ایسی تھیں کہ جنہوں نے پہلے اور شوہر کر لئے تھے اور اُن شوہروں کی وفات کے بعد بحالت بیوہ ہونے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کیا تھا ۔

اُن گیارہ ازواج مطہرات کے اور اُن دو سرایا کے نام حسب تفصیل ذیل ہیں :-

(۱) خدیجہؓ بنت خویلد (۲) سودہؓ بنت زمعہ (۳) عایشہؓ بنت ابو بکرؓ (۴) حفصہؓ بنت عمرؓ (۵) زینبؓ بنت خزیمہ ام المساکین (۶) زینبؓ بنت جحش (۷) اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیان (۸) اُم سلمہؓ بنت ابی امیہ (۹) میمونہؓ بنت الحرث (۱۰) صفیہؓ بنت حیی ابن اخطب (۱۱) جویریہ بنت الحرث ۔

سرایا (۱) ماریہؓ قبطیہ (۲) ریحانہؓ بنت شمعون۔ مگر ہماری رائے میں ریحانہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقاربت نہیں کی ۔

[1] لونڈیاں ۔ جمع سریہ ۱۲

ان کے سوا جو اور روایتیں ہیں اور جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی سے عقد کرنا اور کسی کو بغیر مقاربت کے چھوڑ دینا یا کسی سے خطبہ یعنی منگنی کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے - اُن میں سے ایک روایت بھی اس قابل نہیں ہے کہ اُس پر پورا اعتماد کیا جائے - کیونکہ اُن روایتوں کی صحت ثابت نہیں ہوتی - اہل سیر تمام روایتوں کا خواہ وہ صحیح وثابت ہوں یا نہ ہوں اپنی کتاب میں جمع کر دینا چاہتے ہیں - اور اس بات کی تنقیح کہ اُن میں سے کون سی صحیح وثابت ہے پڑھنے والے پر چھوڑ دیتے ہیں - پس معترضین کی بڑی غلطی ہے - کہ اس قسم کی روایتوں کو اپنے اعتراضوں کی بنیاد قرار دیتے ہیں ✣

مخالفین مذہب کا اعتراض درصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازدواج پر ہے اس اعتراض کا یہودیوں یا عیسائیوں اور بت پرست قوموں کی طرف سے ہونا تعجب انگیز ہے - کیونکہ توریت یا صحف انبیا یا انجیل میں **تعددِ ازواج کا امتناع** نہیں پایا جاتا - اور بت پرست قوموں میں تعدد ازواج کا رواج ہے - پھر کیا سبب ہے کہ وہ لوگ تعدد ازواج پر معترض ہوں مگر یہ ایک **جواب الزامی** ہے جو ہماری نگاہ میں چنداں وقعت نہیں رکھتا اس لئے ضرور ہے کہ ہم حقیقت امر کے بیان کرنے پر متوجہ ہوں ✣

کثرت یا تعدد ازواج پر یا طلاق کے جائز ہونے پر جو لوگ عقلی یا اخلاقی یا تمدنی لحاظ سے اعتراض کرتے ہیں اُن سے بہت زیادہ اعتراض اس پر ہوتے ہیں جب ایک زوجہ کے سوا دوسری زوجہ کرنے کا امتناع ہو اور بجز زنا کے اور کسی حالت میں طلاق دینا جائز نہ ہو - پس اُس پر مخالف یا موافق کا قلم فرسائی کرنا محض بے سود ہے - بلکہ عقلاً اور انصافاً عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک پہلو پر اور جو نقصان عقلی اور تمدنی اُن دونو صورتوں میں واقع ہوتے ہیں ان پر غور کر کے ایک درجہ توسط اختیار کیا جائے تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُن دونو صورتوں میں جو عقلی اور اخلاقی اور تمدنی نقصان ہیں اُن میں کمی واقع ہو - ہمارے نزدیک مذہب اسلام میں ایک متوسط درجہ اختیار کیا ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اُس سے اُن تمام نقصانوں میں اور بالخصوص اخلاقی نقصان میں بہت کچھ کمی ہوگئی ہے ✣

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیا علیہم السلام بھی بشر تھے خود قرآن مجید میں ہے کہ خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تو یہ کہدے کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ" مگر انبیا میں ایسے اوصاف ہوتے ہیں۔ جو اعلیٰ ترین بشر میں ہونے چاہئیں۔ اور وہ اوصاف تین قسم پر منقسم ہو سکتے ہیں:۔

اول۔ ذات خاص انبیا علیہم السلام میں مثل صداقت۔ نیکی تمکین۔ وقار۔ خُلق وغیرہ جس سے انسان اپنی قوم یا سوسائیٹی میں معزز مکرم۔ محترم گنا جاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے کہ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" ٭

دوم۔ انبیا ایسے افعال میں مبتلا نہ ہوں جو اُن کی قوم یا سوسائیٹی میں معیوب اور باعث ذلت و حقارت ہوں۔ کیونکہ ایسے افعال سے وہ خود اس لائق نہیں رہتے کہ قوم اُن کی عزت کرے۔ اور اُن کو ناصح شفیق سمجھے ٭

سوم۔ جن امور کو انبیا معصیت اور گناہ بتاتے ہیں اور لوگوں کو ان سے ڈراتے ہیں خود اُن امور میں مبتلا نہ ہوئے ہوں۔ جو قول ہو وہی فعل ہو ظاہر و باطن دونو یکساں ہوں۔ ورنہ وہ اس قابل نہیں رہتے کہ لوگوں کو اس کی نصیحت کریں۔ جن میں وہ خود مبتلا ہیں۔ پس انبیا کے معصوم ہونے کے یہی معنی ہیں کہ وہ ان تینوں نقصانوں سے بری ہوتے ہیں ٭

کثرت ازواج ایسا امر نہیں ہے کہ جس خاص امر کے لئے انبیا مبعوث ہوتے ہیں اُس کے مخالف یا اس میں خلل انداز ہو البتہ اس کو کسی حد تک محدود کرنا تمدنی لحاظ سے مفید ہے جیسا کہ مذہب اسلام نے کیا ٭

عرب جاہلیت کی سوسائیٹی میں اور یہودیوں میں کثرت ازواج کوئی امر معیوب نہ تھا اور جب تک کہ حکم تحدید ازواج صادر نہیں ہوا۔ اُس وقت تک کثرت ازواج کے لئے کوئی امر مانع نہ تھا۔ اور جس معاہدہ سے ایک عورت سے معاملہ زناشوئی جائز رکھا جاتا تھا کوئی وجہ نہ تھی کہ متعدد عورتوں سے بھی اُسی قسم کے معاہدہ سے معاملہ زناشوئی جائز نہ ہو۔ البتہ عورتیں جو اس معاہدہ کے لئے محل تھیں اُس قسم کا معاہدہ دوسرے سے نہیں کر سکتی

تھیں۔ پس کثرت ازدواج جب تک کہ تحدید ازدواج کا حکم نہ ہوا ایسا کوئی فعل نہیں ہے کہ جس کے سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یا انبیاء سابقین پر نکتہ چینی کی جاوے۔ دلائل عقلی اور نیز قرآن مجید کے تمام احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر احکام ہوتے ہیں کسی امر کے امتناع یا کسی امر کے جواز کے' وہ آیندہ زمانہ سے یعنی اُس حکم کے صادر ہونے کے زمانہ' مابعد سے علاقہ رکھتے ہیں نہ اُس حکم کے قبل کے زمانہ سے۔ پس جن جن پاس متعدد ازدواج تھیں اُس پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی *

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا کسی عورت کو اپنی زوجیت میں نہ لانا اُن کے تقدس کو جو بسبب نبی اور صاحب کتاب ہونے کے تھا کچھ زیادہ نہیں کر دیتا۔ کیونکہ اُس کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو تمام یہودی نعوذ باللہ اولاد **جائز نہیں سمجھتے تھے**۔ پس اُن کے ساتھ کسی یہودن کا عقد ہونا ممکن نہ تھا۔ اور یہودی دوسری قوم کی عورت سے عقد نہیں کرتے تھے۔ معہذا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ابتدائی عمر کا زمانہ مہاجرت میں گذرا اور اخیر زمانہ کچھ بہت طویل نہ تھا۔ کیونکہ صرف تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور اُس وقت تک صرف ستر آدمی آپ پر ایمان لائے تھے *

عرب جاہلیت میں باپ کی دوسری جورو کو اور دو حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ زوجیت میں لانے کا عام دستور تھا۔ علاوہ ان کے بجز بیٹے کی جورو یا متبنیٰ کی جورو اور چند قریب رشتہ داروں کے کچھ تمیز اس بات کی نہ تھی کہ کونسی رشتہ دار عورتیں ایسی ہیں جو زوجیت میں نہیں آسکتیں *

مگر خدا نے مسلمانوں کو بتایا کہ جن عورتوں کو تمہارے باپ نے زوجیت میں داخل کیا ہو اُن کو تم اپنی زوجیت میں نہ لاؤ۔ اُس کے بعد بتلایا کہ تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں اور تمہاری دودھ پلائیاں کہ تمہاری ماؤں کی مانند ہیں اور تمہاری دودھ شریک جو مثل بہنوں کے ہیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی ساسیں اور وہ لڑکیاں جو تمہاری جورویں اپنے ساتھ لاویں جن سے تم نے مقاربت کی ہو اور تمہاری صُلبی بیٹوں کی جورویں اور دو بہنوں کو ایک ساتھ زوجیت میں داخل کرنا تم پر حرام ہے *

ان دونو مقاموں میں جن میں عورتوں کو زوجیت میں لانے سے منع کیا گیا ہے الفاظ الا ما قد سلف کے آئے ہیں۔ جس کے معنی صاف یہ ہیں کہ اس حکم سے پہلے جو ہُوا سو ہُوا۔ چنانچہ آیت مذکور یہ ہے:-

ولا تنکحوا ما نکح اٰباءکم من النساء الا ما قد سلف انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا۔ حرمت علیکم امهٰتکم وبنٰتکم واخوٰتکم وعمّٰتکم وخٰلٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وامهٰتکم الّٰتی ارضعنکم واخوٰتکم من الرضاعة وامهٰت نسائکم وربائبکم الّٰتی فی حجورکم من نسائکم الّٰتی دخلتم بهن فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان الله کان غفورا رحیما ۔ سورۂ نساء آیت ۲۶ و ۲۷ ۔

الفاظ الا ما قد سلف سے یہ مراد ہے کہ جن لوگوں نے قبل نزول اس آیت کے ان محرمات میں سے جن کا ذکر اس آیت میں ہے کسی کو زوجیت میں داخل کر لیا تھا اور امر گذر بھی گیا اور اب موجود نہیں ہے تو اُس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن اس آیت کے اترنے کے بعد اگر ان محرمات میں سے کوئی عورت کسی کی زوجیت میں موجود ہے تو اُس کی تفریق لازم ہے کیونکہ وہ الا ما قد سلف میں داخل نہیں ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں کوئی ایسی عورت نہیں تھی جو ان محرمات میں سے ہو ۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اس بات پر رہنے نہیں دیا کہ اُس کے باپ کی جورو اُس کی زوجیت میں رہے۔ اگرچہ زمانہ جاہلیت میں اُس نے اُس نے اپنے باپ کی جورو کو اپنی زوجیت میں لیا ہو۔ اور برآء سے ایک روایت لکھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبردہ کو ایک شخص کے پاس روانہ کیا جس نے اپنے باپ کی جورو کو اپنی جورو بنا لیا تھا تاکہ اس کو قتل کر ڈالے اور اس کا مال چھین لے ۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں جو عورتیں آسکتی تھیں خدا نے قرآن مجید میں اُن کو اس طرح بتایا ہے ۔

۱۔ وہ بیویاں جن کا مہر دیا جاوے یعنی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آویں ۔

۲- جو بطور فے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آویں *

۳- چچا کی بیٹیاں - پھوپھی کی بیٹیاں - ماموں کی بیٹیاں - خالہ کی بیٹیاں (جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی) *

۴- کوئی مسلمان عورت اگر اپنا نفس پیغمبر کو ہبہ کرے یعنی بے مہر نکاح میں آنا چاہے اور پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں - مگر یہ حکم سوائے مسلمانوں کے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے ہے اور وہ آیت یہ ہے :-

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْکِحَهَا خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ * سورۂ احزاب آیہ ۴۹ *

ان دونو آیتوں میں جو حکم مسلمانوں کے لئے ہے اور جو حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ہے اس میں بجز اس حکم کے جو نمبر ۴ میں بیان ہوا ہے اور کسی میں کچھ فرق نہیں ہے - بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت رشتہ داروں سے نکاح کرنے میں یہ قید زیادہ لگی ہوئی ہے کہ جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہو - حالانکہ مسلمانوں کو رشتہ دار عورتوں سے نکاح کرنے میں یہ قید نہیں ہے *

باقی رہا یہ امر کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو - یعنی بے مہر نکاح کیا ہو - اور ایسی اجازت اور کسی مسلمان کو نہیں دی گئی - مگر یہ امر کچھ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی امر بدگمانی کا جیسا کہ مخالفین مذہب اسلام خیال کرتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت پیدا ہوتا ہے - کیونکہ خود عورت کا درخواست کرنا کہ میں بغیر کسی مہر کے نکاح میں آنا چاہتی ہوں اُن تمام بدگمانیوں کو رفع کرتا ہے - جو مخالفین مذہب اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت کرتے ہیں *

مگر عام مسلمانوں کو بھی ایسی اجازت دینا آیندہ کے بہت سے تنازعات کا

باعث تھا جب کوئی عورت اپنے مہر کا دعوےٰ کرتی تو شوہر کو اس عذر کا بہت موقع ملتا۔ کہ اُس نے اپنا نفس مجھ پر ہبہ کر دیا ہے یعنی بلا مہر میرے ساتھ نکاح کیا ہے اس لئے نہایت ضرور تھا کہ اس بات کی تصریح کر دیجائے کہ یہ حکم خاص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے مسلمانوں کے لئے نہیں ہے ✤

مخالفین مذہب اسلام کہتے ہیں کہ سورۂ نساء کے ابتدا میں جو آیت ہے اُس سے تمام مسلمانوں کو چار جورؤں سے زیادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کے پاس چار جورؤں سے زیادہ تھیں تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ چار سے جو زیادہ ہیں اُن کو علیحدہ کر دو چنانچہ ابوداؤد[1] اور ابن ماجہ[2] میں ہے کہ قیس ابن الحرث جب مسلمان ہوا۔ تو اس کے پاس آٹھ جورو ئیں تھیں۔ جب اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ اُن میں سے چار کو رکھو۔ اور ابن ماجہ[3] اور ترمذی[4] میں ہے کہ جب غیلان الثقفی مسلمان ہوا تو اس کے پاس دس عورتیں تھیں اور وہ سب کی سب اُس کے ساتھ مسلمان ہوگئی تھیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو حکم دیا کہ اُن میں سے چار کو چُن لو۔ یعنی باقی کو چھوڑ دو۔ مگر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سے زیادہ اپنی ازواج مطہرات رکھیں۔ یہاں تک کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو نو بیویاں زندہ موجود تھیں۔ اُس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُن عورتوں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آچکی ہوں دوسروں کو نکاح کرنے سے منع کیا تھا اور وہ آیت یہ ہے ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً۔ یعنی اے مسلمانو! پیغمبر خدا کی جورؤں سے اُس کے بعد کبھی نکاح مت کرو۔ بعد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے اُس کی نسبت مفسروں نے لکھا ہے کہ من بعدہ سے مراد بعد وفات رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حالانکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے کہ بعدہ سے بعد وفات مراد ہو۔ اور اگر بعدہ سے بعد وفات مراد لی جاوے تو یہ معنی ہونگے کہ زمانۂ حیات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اُن کی ازواج سے جن کو آپ نے چھوڑ دیا ہو نکاح جائز ہوگا پس کیسی مہمل بات ہے کہ جو فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ناجائز ہو وہ آپ کی حیات

---

[1] ابوداؤد جلد اول صفحہ ۳۰۳ ✤ [2] ابن ماجہ صفحہ ۱۴۰ [3] ابن ماجہ صفحہ ۱۴۰ ✤ [4] ترمذی صفحہ ۱۹۰ ✤

میں جائز قرار دیا جاوے۔ پس من بعدہٖ کے معنی ہیں بعد از دواجہ یعنی بعد اسکے کہ وہ عورت زوجیت آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم میں آچکی ہو اُس سے کسی مسلمان کو نکاح جائز نہیں۔ پس سبب تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی وجہ کو اپنی زوجیت سے خارج نہیں کر سکتے تھے (اور یہ بات آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے کسی وجہ کو طلاق دی تھی کسی طرح ثابت نہیں جسکو ہم بیان کرینگے) مگر مسلمانوں کی عورتوں سے یہ حکم متعلق نہ تھا۔ اس لئے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام ازداج کو قائم رکھا۔ اور جن مسلمانوں کے پاس چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں تھیں اُن کی نسبت فرمایا کہ چار کو رہنے دو اور اُن سے جو زیادہ ہوں اُن کو چھوڑ دو ٭

کوئی معترض یہ کرسکتا ہے کہ کیوں ایسا حکم نازل ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں جو عورت آگئی ہو اُس سے پھر کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا۔ مگر یہ حکم نہایت عمدہ ہے اگر اس کا امتناع نہ ہوتا تو اسلام میں نہایت فتور واقع ہوتا۔ یہ عورتیں اپنے نئے خاوند کے سبب اور اُن کے مطلب کے موافق سینکڑوں حدیثیں اور روایتیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کرتیں جن سے ایک فتنہ عظیم اسلام میں برپا ہوتا۔ اور اسلام میں باعث فتور اور اس کے احکام میں اختلال کا سبب ہوتا۔ اس لئے یہ حکم نہایت ضروری تھا کہ جو عورتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آچکی ہیں وہ دوسروں سے نکاح نہ کرنے پاویں ٭

ان تمام اعتراضوں سے مخالفین مذہب اسلام کا یہ مقصد ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کا الزام لگائیں۔ مگر جو احکام آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت قرآن مجید میں ہیں اُن کے جاننے کے بعد کون شخص اس الزام کو صحیح مان سکتا ہے؟

سورۂ احزاب میں یہ آیت ہے لا یحل لک النسآء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن یعنی جس قدر ازواج موجود ہیں اس کے بعد تیرے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات تیرے لئے حلال ہے۔ کہ اُن کی جگہ اور جوروؤں کو بدل لے گو کہ تجھ کو اُن کا حُسن اچھا معلوم ہو۔ پس جو شخص کہ خواہش نفسانی کے پورا کرنے کا آرزومند ہو وہ ایسی قیدیں اپنے ساتھ لگا سکتا ہے کہ نہ تو وہ کسی

لـه من بعده ای من بعد وفاته او فراقه تفسیر بیضاوی جلد ۲ چھاپہ لکھنؤ صفحہ ۱۸۵ ٭

عورت کو اپنی زوجیت میں لاسکے اور جو جورو ویں موجود ہیں نہ اُن کے بدلے میں اور جورو لاسکے۔ پس کیسا غلط خیال ہے جو معترضین آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسبت خیال کرتے ہیں +

بعض مفسرین نے ولا ان تبدّل کے لفظ سے جو اس آیت میں ہے یہ سمجھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی ازواج کو طلاق دینا جائز نہیں رہا تھا۔ کیونکہ تبدل ازواج اسی طرح پر ہو سکتا ہے کہ ایک کو زوجیت سے خارج کیا جائے۔ اور دوسری کو اس کی جگہ لیا جائے اور یہ امر بغیر اس کے کہ ایک کو طلاق دیجاے نہیں ہو سکتا۔ پس گویا اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ازواج میں سے کسی زوجہ کو طلاق دینا جائز نہیں رہا تھا جو نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے بالکل خلاف ہے +

اگر یہ قول مفسرین کا صحیح ہو تو اس بات کا سبب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باوصف محدود ہو جانے تعداد ازواج کے کیوں چار سے زیادہ ازواج اپنے پاس رہنے دیں بہت عمدگی سے واضح ہو جاتا ہے +

معترض کہ سکتا ہے کہ تم نے جو یہ بات قرار دی ہے کہ ان لا تبدل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو طلاق دینا منع ہو گیا تھا غلط ہے اس لئے کہ سورۂ طلاق میں صاف لکھا ہے کہ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ الخ اور اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو طلاق دینے کی صاف اجازت پائی جاتی ہے مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام قرآن مجید میں جہاں پیغمبر کو یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ کر کے خطاب کیا ہے اُس کے بعد صیغۂ واحد حاضر کا آیا ہے جیسے یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ۔ اور یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ۔ مگر صرف سورۂ طلاق کی آیت میں یہ سیاق بدلا ہے اور اس میں یا ایھا النبی کے بعد کہا ہے اذا طلقتم جمع کے صیغہ سے۔ پس اس تبدیل سیاق پر غور کرنا ضرور ہے۔ اس تبدیل سیاق کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم مخاطب نہیں ہیں۔ بلکہ مسلمان مخاطب ہیں اور تقدیر آیت کی یہ ہے کہ یا ایھا النبی قل للمومنین اذا طلقتم النساء الخ اور چونکہ مسلمان مخاطب تھے اس لئے صیغہ جمع کا آیا ہے +

بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے اپنی جورُو کو اُس ناپاکی کے زمانہ میں جو ہر مہینہ عورتوں کو ہوتی ہے طلاق دیدی تھی اُس کی نسبت حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ اُس میں یہ آیت سورہ طلاق کی نازل ہوئی۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ عمر بن سعید اور عتبہ بن غزوان نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ پس اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواج کو طلاق دینے کا اختیار ثابت نہیں ہوتا *

جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو جو حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں مذکورہ بالا حالت میں طلاق دیدی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے یہ کہنا ان کا اس لئے غلط ہے کہ اگر حفصہ کی طلاق کے سبب یہ آیت خاص رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نازل ہوتی تو طلقتم صیغہ جمع کا نہیں آسکتا تھا *

ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت حفصہؓ کا طلاق دینا بیان ہؤا ہے اُس میں راوی کو غلطی ہوئی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس کا حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا۔ پس راوی یہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ کی بیٹی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق دیدی ہے۔ حالانکہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی جورو کو طلاق دیدی تھی۔ نہ پیغمبر خدا نے حفصہؓ کو جو حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں *

اور سورہ تحریم میں یہ آیت ہے عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا * یعنی اگر پیغمبر تم کو طلاق دیدے تو قریب ہے خدا اُس کے بدلے میں ایسی بیویاں دے جو تم سے بہتر ہوں اور جو مسلمان ہوں اور جو ایمان والیاں دعا کرنے والیاں۔ توبہ کرنے والیاں۔ عبادت کرنے والیاں۔ روزہ رکھنے والیاں اور بیاہی اور بن بیاہی ہوں *

اس آیت کو یہ قرار دینا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طلاق دینے کی اجازت تھی محض غلط ہے کیونکہ یہ آیت حکم پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ اس میں شرط اور تعلیق ہے اور اس سے مقصود خوف دلانا اور قدرت

کا ظاہر کرنا ہے نہ یہ جتانا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج کو طلاق دے سکتے ہیں یا اُن کو طلاق دینی چاہیئے۔ چنانچہ تفسیر کبیر اور لباب التاویل میں صاف لکھا ہے کہ ھذا من باب الاخبار عن القدرۃ لا عن الکون لانہ قال ان طلقکن وقد علم انہ لا یطلقھن فاخبر عن قدرتہ انہ ان طلقھن ابدلہ ازواجا خیرا منھن تخویفا لھن۔ یعنی اس آیت میں خدا نے اپنی قدرت کی خبر دی ہے نہ کسی امر کے واقع ہونے کی۔ کیونکہ اُس نے فرمایا کہ اگر وہ تم کو طلاق دیدے اور یہ تو پہلے سے معلوم تھا کہ پیغمبر اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دینے کے اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے محض اپنی قدرت جتائی ہے کہ اگر پیغمبر اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں تو خدا ان بیویوں سے بہتر عورتیں اُن کے بدلہ میں دیگا۔ اور یہ اصل میں ان کو خوف دلانے اور ڈرانے کے طور پر کہا ہے۔ پس یہ آیت کسی طرح اس لائق نہیں ہے کہ اُس سے اس امر پر استدلال کیا جاوے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلاق دینے کی اجازت تھی ✦

جب یہ آیت نازل ہوئی اور اُس کا چرچا لوگوں میں پھیلا تو لوگوں نے یہ غلط خیال کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کل ازواج کو طلاق دیدی ہے حضرت عمرؓ نے جب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو بھی طلاق نہیں دی۔ حضرت عمرؓ نے آپ سے اجازت لیکر مسجد کے دروازہ پر بلند آواز سے کہا کہ یہ خبر غلط ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی ✦

سورہ احزاب میں یہ آیت ہے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاٰخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔ یعنی اے پیغمبر تم اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی کو پسند کرتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اور آخرت کو پسند کرتی ہو تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا ثواب ٹھیرایا ہے ✦

یہ آیت۔ آیت تخییر کہلاتی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو

اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں وہ دنیا کو اختیار کریں چاہیں دین کو مگر یہ آیت اُس آیت سے پہلے نازل ہوئی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلاق دینے کا امتناع ہوا ہے اور جس کو ہم پہلے لکھ آئے ہیں اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے ؛

اس آیت میں بھی مہر کا ذکر ہے اور سورۂ احزاب کی آیت اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ میں بھی مہر کا ذکر ہے اور سورۂ احزاب کی آیت قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم میں بھی لفظ ما سے مہر مراد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیات سورۂ احزاب سے پہلے ازواج کے لئے مہر مقرر ہو چکا تھا اور جس آیت میں مہر مقرر ہونے کا ذکر ہے وہ سورۂ نساء کی آیت ہے۔ پس صاف پایا جاتا ہے کہ سورۂ نساء کی آیت قبل آیات سورۂ احزاب نازل ہو چکی تھی مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد نزول آیت سورۂ نساء بھی عورتوں سے نکاح کیا حضرت زینبؓ بن جحش سے جن کا ذکر خود سورۂ احزاب میں ہے ۵ھ ہجری میں نکاح ہوا۔ اور اس کے بعد بھی ۷ھ ہجری تک نکاح ہوتا رہا۔ پس کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد نزول آیت سورۂ نساء کے جس میں چار ازواج کرنے کا حکم ہے اور عورتوں سے نکاح کیا۔ مگر اس دلیل میں یہ غلطی ہے کہ معترض نے یہ سمجھا ہے کہ ازواج کے مہر کا تقرر اُسی وقت ہوا تھا جب کہ تحدید ازواج کا حکم سورۂ نساء میں نازل ہوا ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے عرب جاہلیت میں بہت سی باتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی باقی تھیں اور عرب جاہلیت میں بھی زوجہ کے لئے مہر مقرر کرنا یا اس کو دیدینے کا عام رواج تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ کے ساتھ ۲۸ برس قبل ہجرت کے ہوا تھا۔ یعنی اُس وقت تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے اُس وقت بھی مہر مقرر ہوا اور سونے کے ساڑھے سات اوقیہ کے برابر مہر دیا گیا نبوت کے بہت زمانہ بعد تحدید ازواج کا حکم نازل ہوا ہے پس سورۂ نساء اور سورۂ احزاب کی آیتوں میں مہر کے ذکر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب تحدید ازواج کا حکم نازل ہوا ہے اُسی کے ساتھ مہر کے مقرر کرنے کا بھی حکم ہوا تھا ؛

بلکہ نہایت قرین قیاس ہے کہ آیت سورۂ نساء درباب تحدید ازواج مسلمانان اور نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور آیت سورۂ احزاب لا یحل لک النساء

قریب قریب زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔ایک میں مسلمانوں کے لئے ازواج کی تحدید ہے اور دوسری میں پیغمبر کی نسبت آیندہ کسی عورت سے نکاح کرنے کا امتناع ہے*

ہم نے کہا ہے کہ قرین قیاس ہے کہ وہ دونو آیتیں قریب قریب نازل ہوئی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زمانہ نزول آیت کا تحقیق ہونا نہایت مشکل امر ہے قرینہ اور قیاس سے اس کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے مفسرین اور اہل سیر نے جو زمانے نزول آیت کے قرار دیئے ہیں یا شان نزول آیات بیان کی ہیں اُن میں سے اکثر مطلق قابل اعتبار کے نہیں ہیں۔اس لئے کہ اُس کی اسناد کافی نہیں ہیں*

سورۂ احزاب میں ایک خاص حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھا کہ اگر کوئی عورت بلا مہر نکاح کرنے کی درخواست کرے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اُس سے نکاح کرنا چاہیں تو بلا مہر نکاح کر سکتے ہیں۔اس اجازت کی نسبت خدا نے کہا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر اُن کی ازواج میں یعنی مہر کا دینا۔لیکن ہم نے جو یہ کہدیا کہ بلا مہر نکاح کرنے کا حکم خاص تمہارے لئے ہے۔اس لئے کہدیا کہ تم کو اس میں کچھ تردد یعنی دل میں کچھ دھکڑ پھکڑ نہ رہے تفسیر ابن عباسؓ میں لفظ حرج کی تفسیر میں لفظ ماثم لکھا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے مگر لفظ حرج سے اس مقام پر سہولیت اور آسانی مراد لینا ٹھیک نہیں ہے*

لفظ فرض اور فریضہ کے معنی ہیں مقرر کرنے کے۔فقہا نے جو الفاظ فرض۔ واجب سنت مستحب واسطے تفریق و تقسیم احکام شرعی کے بطور اصطلاح اختیار کیئے ہیں اُن معنوں میں فرض کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا ہے۔پس جن لوگوں نے فرضنا اور فریضہ کے لفظ سے وہ معنی سمجھے ہیں جو فقہا نے اپنی اصطلاح میں قرار دئیے ہیں تو اُن سمجھنے والوں نے اُن کے معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے اور مہر گاہ مہر کا تقرر ابراہیمی شریعت کا باقی ماندہ حکم تھا جیسے حج۔اور غسل جنابت وغیرہ تو خدا کا یہ کہنا کہ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم بالکل ٹھیک اور صحیح تھا*

سورۂ احزاب میں ایک اور آیت ہے جس میں خدا نے اپنے رسول کو کہا ہے کہ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہے علیحدہ رکھے اور جس کو چاہے اپنے پاس رکھے اور جس کو علیحدہ رکھا ہے اگر اس کو اپنے پاس بلانا چاہے تو کچھ گناہ نہیں ہے اور وہ آیت

یہ ہے - تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ +

اس آیت سے اکثر مفسرین نے سمجھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے پہلے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر باری باری سے اپنے ازواج پاس رہنا واجب تھا۔ اور اس آیت سے باری باری سے اپنی ازواج پاس رہنا واجب نہیں رہا۔ اس میں شک نہیں کہ جب متعدد ازواج ہوں تو بلاشبہ شوہر کو لازم ہے کہ باری باری سے اُن کے پاس رہے مگر ہم کو قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں ملی جس سے بالتصریح باری باری سے رہنا واجب قرار دیا ہو۔ سورۂ نساء کی آیت میں جو یہ الفاظ ہیں - کہ فان خفتم ان لا تعدلوا لفظ لا تعدلوا سے ازواج میں عدل کرنا واجب ٹھیرایا ہے اور باری باری سے ازواج کے پاس رہنا بھی عدل میں داخل کیا ہے مگر یہ صرف ایک ایسا حکم ہے کہ آیت کے الفاظ سے استنباط کیا ہے - مگر نص نہیں ہے +

تعدّد ازواج میں ازواج کی حالت بلحاظ طبیعت انسانی یکساں نہیں رہتی۔ انسان کو بیماریاں غیر متوقع لاحق ہوتی ہیں جن سے عورتیں بھی مستثنےٰ نہیں ہیں علاوہ اس کے خود عورتوں کی طبعی حالت یکساں نہیں رہتی - پس ایسی حالت میں باری کا التزام نہیں ہوسکتا۔ اسی واسطے خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اجازت دی ہے کہ ازواج میں سے جس کو چاہو علیحدہ رکھو اور جس کو چاہو اپنے ساتھ - اور جس کو علیحدہ رکھا ہے اُس کو پھر اپنے پاس بلالو۔ پس کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اُس کے سبب سے کوئی نکتہ چینی کی جاوے۔ کیونکہ یہ حکم طبیعت انسانی کے موافق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور تمام انسانوں سے یکساں متعلق ہوسکتا ہے +

اب ہم ازواج مطہرات کا مختصر تاریخی حال بیان کرتے ہیں اور جو نکتہ چینی ہر ایک کی نسبت کی گئی ہے اس کی تحقیق کرتے ہیں +

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہؓ کے باپ کا نام خویلد ہے اور وہ قوم قریش میں سے تھیں اُن کی ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔ نوفل اُن کا چچا تھا

اور نوفل کا بیٹا ورقہ اُن کا چچازاد بھائی تھا۔ اور حضرت خدیجہ رضؓ ۶۸ سنہ قبل ہجری میں پیدا ہوئیں ❖

پہلے حضرت خدیجہ رضؓ کا نکاح ابوہالہ بن زرارہ سے ہؤا تھا اور اُس سے دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند اور دوسرے کا نام ہالہ تھا جب ابوہالہ مرگیا تو حضرت خدیجہ رضؓ نے عتیق بن عایذ سے نکاح کیا جو قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ اور اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ حضرت خدیجہ رضؓ کا باپ بہت امیر تھا اور اُن کے ہاں تجارت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال تجارت لیکر بصرہ میں گئے اور اُس مال کو بہت نفع سے فروخت کیا اور واپس آکر اُس سے بہت زیادہ نفع اُن کو دیا جو اور لوگ دیتے تھے ❖

جبکہ عتیق بن عائذ دوسرا شوہر بھی مرگیا تو حضرت خدیجہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ۲۵ سنہ قبل ہجری میں نکاح کیا یہ بات سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دولتمند نہیں تھے مگر ایک نہایت اعلےٰ خاندان قریش سے تھے اور ان کی امانت اور دیانت اور سچائی عام طور سے لوگوں میں مشہور تھی۔ اور اُن کا لقب **امین عرب** ہو گیا تھا۔ اس سبب سے حضرت خدیجہ رضؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نکاح کرنے کا خیال ہؤا۔ نکاح کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر ۲۵ سال کی اور حضرت خدیجہ رضؓ کی ۴۰ سال کی تھی ❖

بعد نکاح کے اُن سے چار لڑکیاں زینب رضؓ۔ رقیہ رضؓ۔ ام کلثوم رضؓ اور فاطمہ زہرا رضؓ پیدا ہوئیں اور لڑکوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کل لڑکوں نے صغر سنی میں وفات پائی اور حضرت خدیجہ رضؓ نے ۳ سنہ قبل ہجری میں جب کہ پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر تھی مکہ میں انتقال کیا ❖

اس بات میں سب کو اتفاق ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ رضؓ زندہ رہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دوسری عورت سے حضرت خدیجہ رضؓ کی زندگی میں نکاح نہ کرنے کا کوئی سبب ہو مگر یہ بات کہ اس وقت تک موافق رسم عیسائی مذہب کے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم دوسرا نکاح کرسکتے تھے **محض غلط** ہے اس میں کچھ شبہ نہیں ۔ کہ

ورقہ بن نوفل شام میں جاکر بذاتِ خود عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر یہ بات کہ خویلد حضرت خدیجہ رضؓ کا باپ اور حضرت خدیجہ رضؓ اور اُن کے خاندان کے اور لوگ بھی عیسائی ہو گئے تھے کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ معہذا انجیلوں سے جو اس وقت موجود ہیں تعدد ازواج کا امتناع کسی طرح پایا نہیں جاتا۔ پس یہ کہنا کہ مذہب عیسوی کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری شادی نہیں کرسکتے تھے محض غلط ہے ٭

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ۔ حضرت سودہ کے باپ کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا۔ اُن کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا تھا اور اُس سے ایک لڑکا عبدالرحمن پیدا ہوا۔ حضرت سودہ رضؓ اور ان کا شوہر سکران بن عمرو دونو مسلمان ہو گئے تھے اور جب کہ دوسری دفعہ مسلمان ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے تھے حضرت سودہ رضؓ بھی مع اپنے شوہر کے مکہ سے حبش کو ہجرت کر گئی تھیں جب وہ حبش سے واپس آئیں تو مکہ میں اُن کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ پھر ۳ سنہ قبل ہجری میں جب کہ حضرت خدیجہ رضؓ انتقال کر چکی تھیں حضرت سودہ رضؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر (۵۰) سال کی تھی۔ مگر حضرت سودہ رضؓ کی عمر اُس وقت کیا تھی کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتی۔ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کی وفات ۲۳ سنہ ہجری میں ہوئی ٭

یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضؓ سے کسی خواہش نفسانی کے سبب سے نکاح کیا ہو جیسا کہ معترضین کہتے ہیں۔ بلکہ حضرت سودہ قدیم الایمان تھیں اور کفار مکہ سے تکلیفیں اُٹھائی تھیں اور حبشہ کی ہجرت پر مجبور ہوئی تھیں آخرالامر جب واپس آئیں تو اُن کے شوہر نے انتقال کیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن کو زوجیت میں لانا مقتضائے انسانیت اور تفقد اُن کے حال پر تھا نہ مقتضائے خواہش نفسانی ٭

سودہ رضؓ بہت بڑھیا اور از کار رفتہ ہو گئی تھیں ان کو خوف ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو طلاق نہ دیدیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ مجھ کو اپنی زوجیت میں رہنے دیں جو حقوق میری زوجیت کے ہیں وہ میں حضرت عائشہ رضؓ

کو دیدیتی ہوں +

سورۂ نساء میں جو یہ آیت ہے وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِھَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونو پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے +

اس آیت کو بعض راوی کہتے ہیں کہ حضرت سودہ کی شان میں اُتری ہے۔ جب کہ اُن کو خوف ہوا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو طلاق دیدینگے اور بعض راوی کہتے ہیں کہ یہ آیت کسی خاص واقع پر نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ بطور عام احکام کے نازل ہوئی ہے لیکن حضرت سودہ نے بموجب اسی آیت کے کہ دیا تھا کہ میں اپنا حق زوجیت حضرت عائشہ کو دیدیتی ہوں۔ بہرحال یہ آیت خواہ حضرت سودہ رضہ کی شان میں اُتری ہو یا بطور حکم عام کے ہماری راے میں کچھ زیادہ بحث کے لائق نہیں ہے +

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت حفصہ رضہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ اُن کی ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا جنہوں نے بعد اسلام قبول کرنے کے ہجرت کی تھی۔ حضرت حفصہ رضہ کے پہلے شوہر کا نام خُنَیس ابن حذافہ تھا۔ جنہوں نے حضرت حفصہ رضہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اور جن کا انتقال بعد غزوۂ بدر کے ہُوا +

خُنَیس کے انتقال کے بعد اُن کا نکاح ۳ھ ہجری میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ہُوا۔ اُس وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ اُن کا انتقال ۴۵ھ ہجری میں بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہُوا۔ اور اُس وقت اُن کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ولادت ۱۸ھ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضہ کو طلاق رجعی دیدی تھی۔ مگر ہمارے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلاق دینا ثابت نہیں ہے۔ اس کا ذکر سواے ابن ماجہ کے غالبًا اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ابن ماجہ کی جو حدیث ہے اس میں سلمہ بن کُہیل ایک شیعہ مذہب کا راوی ہے جس کی روایت حضرت عمر رضہ کی بیٹی کی نسبت اعتماد کے لائق نہیں ہے

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جس روایت میں حضرت حفصہ رضہ کا طلاق دینا بیان ہؤا ہے۔ اُس میں راوی کو غلطی ہوئی ہے۔ اسی لئے کہ عبداللہ ابن عمر رضہ نے اپنی جورو کو طلاق دی تھی اور حضرت عمر رضہ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُس مسئلہ کی نسبت پوچھا تھا۔ اس سبب سے راوی کو شبہ ہؤا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضہ کو طلاق دیدی ہے۔ غرضکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حفصہ کو طلاق دینا ثابت نہیں ہے باقی رہی یہ بات کہ حضرت حفصہ رضہ نے کوئی بھید آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھولدیا تھا۔ اُس کی نسبت جو کچھ ہم کو کہنا ہے وہ ماریہ قبطیہ[۵۱] کے حال میں بیان کرینگے ؛

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت ام حبیبہ کا اصلی نام رملہ تھا۔ اُن کے باپ کا نام ابوسفیان اور ماں کا نام صفیہ تھا۔ ماں اور باپ دونو طرف سے وہ خاندان بنی امیہ سے تھیں۔ ان کا پہلا شوہر عبیداللہ بن جحش تھا۔ جو پہلے مسلمان ہوگیا تھا۔ اور جب ملک حبش کو دوسری بار لوگ ہجرت کرنے لگے۔ تو وہ بھی اپنی بی بی اُم حبیبہ رضہ کے ساتھ ملک حبش کو چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر عبیداللہ تو عیسائی ہوگیا۔ مگر حضرت ام حبیبہ رضہ مذہب اسلام پر قائم رہیں۔ جب عبیداللہ مرگیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کو بطور ولی کے قرار دے کر کہلا بھیجا۔ کہ اُن کا نکاح ام حبیبہ سے کردے۔ چنانچہ ۶ھ ہجری میں بمقام حبش ام حبیبہ کا نکاح ہؤا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نجاشی نے مہر ادا کیا۔ اُس وقت ام حبیبہ رضہ کی عمر ۳۷ سال کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ بعد نکاح کے حضرت ام حبیبہ رضہ ملک حبش سے آئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہیں بعد وفات رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن کی وفات ۴۴ھ ہجری میں ہوئی۔ جب کہ اُن کی عمر ۷۴ سال کی ہوچکی تھی۔ اُن کی نسبت کوئی نکتہ چینی قابل التفات نہیں ہے ؛

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت اُم سلمہ رضہ جن کا اصلی نام ہند تھا۔ ان کی ماں کا نام عاتکہ ہے جو قبیلہ بنو کنانہ میں سے تھیں۔ مگر یہ عاتکہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی نہیں تھیں۔ بلکہ

[۵۱] ماریہ قبطیہ کا حال لکھنے نہیں پائے افسوس !

بلکہ اُن کے باپ کا نام عامر تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے باپ ابو امیہ تھے جن کا نام حذیفہ تھا۔ اور عرب کے مشہور فیاض اور شہسوار لوگوں میں خیال کئے جاتے تھے ✤

حضرت اُم سلمہؓ کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی تھے۔ وہ اور اُن کے شوہر دونو مسلمان ہو کر ملک حبش کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں اُن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام زینب تھا۔ اس کے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام درّہ تھا۔ اور دو لڑکے سلمہ اور عمر بھی اسی نکاح سے پیدا ہوئے تھے ✤

ابو سلمہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے جب اُنہوں نے سنہ ۴ ہجری میں وفات پائی تو حضرت ام سلمہؓ کا نکاح رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہوُا اُس وقت اُن کی عمر ۲۶ سال کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ انہوں نے سنہ ۶۲ ہجری میں بعد وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وفات پائی۔ اور اُن کی عمر ۸۴ سال کی ہوئی۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ولادت سنہ ۲۲ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔ حضرت ام سلمہ کی نسبت کوئی نکتہ چینی قابل توجہ نہیں ہے ✤

حضرت زینب اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا۔ حضرت زینبؓ جو بسبب اپنی فیاضی کے ایام جاہلیت میں ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں قبیلۂ بنو ہلال سے ہیں۔ اُن کے باپ کا نام خزیمہ بن حرث اور ماں کا نام ہند بنت عوف تھا۔ اُن کا پہلا شوہر عبد اللہ بن جحش تھا۔ جس کے مرنے کے بعد اُن کا نکاح سنہ ۳ ہجری میں رسُول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہوُا۔ اُس وقت اُن کی عمر ۲۹ سال کی تھی۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر ۵۶ سال کی۔ مگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس صرف آٹھ مہینے رہکر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کی زندگی میں سنہ ۴ ہجری میں انتقال کر گئیں۔ اُن کی عمر اُس وقت ۳۰ سال کی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ولادت سنہ ۲۶ قبل ہجری میں ہوئی تھی ✤

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت زینب ام المساکین نے اپنا نفس آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ مگر وہ روایتیں کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہیں۔

کیونکہ جن ازواج مطہرات کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا - اور اُن کا مہر ادا کیا گیا - اُن میں یہ بھی داخل ہیں - اور اس امر پر محدثین کا اتفاق ہے ✤

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا - زینب جحش کی بیٹی تھیں اور اُن کی ماں کا نام اُمیمہ تھا - اور اُمیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور عبداللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی بہن تھیں - اس رشتہ سے حضرت زینبؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں - اُن کی عمر پچاس برس کی ہوئی اور سنہ ۲۰ ہجری میں اُنہوں نے وفات پائی - اس حساب سے اُن کی ولادت سنہ ۳۰ قبل ہجری میں ہوتی ہے ✤

پہلی دفعہ اُن کا نکاح زید بن حارثہ سے سنہ ۳ ہجری کے اخیر یا سنہ ۴ ہجری کے شروع میں ہوا - جب زید نے اُن کو طلاق دی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۵ ہجری میں اُن سے نکاح کیا - اُس وقت اُن کی عمر ۳۵ سال کی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۵۸ برس کی تھی - چھ برس یعنی وقت وفات آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آپ کی زوجیت میں رہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد انتقال کیا ✤

اُن کے پہلے شوہر زید کے باپ کا نام حارثہ اور اُن کے دادا کا نام شرحبیل اور اُن کی ماں کا نام سُعدیٰ بنت ثعلبہ تھا - جو بنی معن قبیلہ بنی طے سے تھیں - ایام جاہلیت میں سُعدیٰ اُن کی ماں اُن کو لیکر کہیں جاتی تھی بنو قین نے رستہ میں اُن پر حملہ کیا اور زید کو پکڑ کر عکاظ کے بازار میں بیچنے کو لائے - اُس وقت زید کی عمر آٹھ برس کی تھی حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لئے جو سب سے پہلی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ تھیں - چارسو درہم پر خرید لیا حضرت خدیجہ نے زید کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا ✤

اتفاقاً زید کا باپ اور چچا مکہ میں آئے اور زید کو دیکھ کر پہچان لیا - اور یہ بات چاہی کہ زید کا فدیہ دیکر اُن کو اپنے ساتھ لیجاویں مگر زید نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عرب کی رسم کے موافق زید کو اپنا متبنےٰ یعنی مُنہ بولا بیٹا کر لیا ❖

بعد اس کے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زید کا نکاح ام ایمن سے جنکی گود میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنا بچپن بسر کیا تھا۔ اور اُن سے اُسامہ پیدا ہوئے ام ایمن کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بڑے اصرار سے زید کا نکاح زینب بنت حجش سے کر دیا ❖

زینب ایک عالی خاندان عورت تھی اُن کو یہ پسند نہیں تھا کہ ایک شخص جو درحقیقت غلام ہے گو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُس کو آزاد کر کے متبنےٰ کر لیا ہے اُس سے نکاح کریں۔ لیکن جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے پر اصرار کیا۔ اور اس پر ایک آیت بھی نازل ہوئی کہ کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے کوئی بات مقرر کر دی ہو۔ تو پھر اُس امر میں اُن کو اختیار رہے اور جس نے خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی ایک بڑی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ وہ آیت یہ ہے۔ وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔ تو اُس وقت زینب زید سے نکاح کرنے پر راضی ہوگئیں۔ پس یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصرار سے زینب نے زید سے نکاح کرنا قبول کیا تھا۔ اگر خود رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زینب سے نکاح کرنا منظور ہوتا تو اس قدر اصرار زید کے ساتھ نکاح کرنے میں کیوں فرماتے ❖

بعد نکاح کے زینب اور زید میں موافقت نہیں ہوئی۔ زینب اپنے شوہر کو نہایت حقیر سمجھتی تھی اور اُس سے بدزبانی کرتی تھیں اور جو کچھ وہ کہتا تھا اُس کو نہیں مانتی تھی۔ اور ایسا ہونا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ جو حالت زید کی تھی اور جو حالت زینب کی تھی وہ اس بات کی مقتضی تھی کہ زینب ضرور اپنے شوہر کو حقیر اور بیوقعت سمجھے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید زینب کی باتوں سے تنگ ہوگیا۔ اور طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے

ذکر کیا تو آپ نے زید کو سمجھایا اور طلاق دینے سے منع کیا چنانچہ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ امسک علیک زوجک و اتق اللہ و تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ و تخشی الناس۔ واللہ احق ان تخشاہ۔ یعنی خدا نے پیغمبر کو یاد دلایا کہ جب تو زید سے جس پر خدا نے احسان کیا اور جس پر تو نے احسان کیا۔ کہتا تھا کہ اپنی جورو کو اپنے پاس رہنے دے اور خدا سے ڈر اور چھپاتا تھا اپنے دل میں اُس بات کو جس کو خدا ظاہر کرنے والا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور خدا بہت لائق ہے کہ اس سے ڈرے۔

مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ اس آیت میں امسک کا لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دنیاداری کے طور پر بیان کیا تھا۔ مگر اُن کو دل میں یہ بات تھی کہ کسی طرح زید طلاق دیدے تو آپ اُس سے نکاح کرلیں۔ مگر ہم کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ کس طرح اُن لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ تھا کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دے۔ مگر ظاہرداری سے کہا کہ امسک علیک زوجک پس یہ ایک جھوٹا اتہام ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لگایا گیا ہے۔

اس آیت میں جو یہ لفظ ہیں وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ اُس کی خدا نے کچھ تشریح نہیں کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اپنے دل میں چھپا رکھا تھا۔ اُس پر مفسرین اور اہل سیر میں سے کسی نے کسی امر کا چھپانا اور کسی نے کسی امر کا چھپانا بیان کیا۔ اور وہ متعدد اقوال ایک نے دوسرے سے روایت کئے اور وہی متعدد روایتیں کتب تفاسیر اور سیر میں مندرج ہوئیں جو محض ایک شخص کی رائے ہونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اُن میں ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے مخالفین اسلام نے سند پکڑی ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نکتہ چینی کی ہے۔ مگر ایسی روایتوں سے جو محض بے اصل ہیں اور راویوں کی رائے ہونے کے سوائے اور کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نکتہ چینی نہیں ہوسکتی۔ ہاں بلاشبہ اُن راویوں سے قطع نظر کرکے قرآن مجید کے الفاظ اور سیاق پر غور کرنا چاہئے اور جو امر کہ از روے عقل انسانی بلالحاظ معتقدات مذہبی قرار پاوے

اُس کو تسلیم کرنا چاہئے ۔ اگر اُس وقت کوئی امر نکتہ چینی کے قابل ہو تو اُس پر نکتہ چینی کی جاوے ۔ مگر اس امر کو کہ فلاں مفسر نے یہ کہا ہے اور فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنیاد نکتہ چینی قرار دینا تو محض لغو اور ناواجب ہے ؁

اس اخفا کی نسبت بعض لوگوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دیگا ۔ اور زینب تیری زوجیت میں آئیگی ۔ مگر جب زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو طلاق دینے سے منع کیا ۔ حالانکہ اُن کو خدا نے اطلاع کر دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دیگا ۔ اور وہ تیری زوجیت میں آئیگی پس اسی بات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل میں چھپایا اور اسی کی نسبت وتخفی فی نفسک میں اشارہ ہے ؁

اسی امر کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے ۔ اور اس پر بہت کچھ لکھا ہے ۔ مگر ان مفسرین کا اس بات کو تسلیم کرنا کہ خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے مطلع کر دیا تھا کہ زید زینب کو طلاق دیگا اور زینب تیری زوجیت میں آئیگی اور تخفی فی نفسک سے اسی کا اخفا مراد لینا محض بے اصل ہے اور قرآن مجید یا قرینہ مقام سے یہ امر نہیں نکلتا اور نہ کبھی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ اس باب میں مجھ کو وحی ہوئی ہے ۔ پس یہ ایک غلطی اُس شخص کی ہے جس نے اول اپنی رائے سے تخفی کا یہ مطلب قرار دیا ہے ۔ اور کتب تفاسیر اور سیر میں بطور روایت کے مندرج ہوا ہے ؁

بعض لوگوں نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقاً زینب کو سر ننگی یا نہاتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس پر فریفتہ ہو گئے تھے اور تخفی فی نفسک سے اُسی فریفتگی کی طرف اشارہ ہے ؁

ہم چاہتے ہیں کہ چند تحقیقی امر اور واقعی حالات بیان کریں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جو مراد تخفی فی نفسک سے اوپر بیان ہوئی ہے وہ کسی طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ زینب بیٹی تھی جحش کی اور اُن کی ماں کا نام اُمیمہ تھا اور اُمیمہ بیٹی تھی عبد المطلب کی اور بہن تھیں عبد اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی ۔ پس زینبؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدائی عمر سے زینبؓ سے بخوبی واقف تھے اور ہزاروں دفعہ اسے دیکھ چکے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زینبؓ کا زید سے نکاح کرنے کا باعث ہوئے تھے ۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفعتہً اُن کو دیکھنا اور اُن پر

فریفتہ ہو جانا کیسی لغو اور مہمل بات ہے۔ کوئی ذی عقل تو اُس کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا بیان کیسا لغو اور ناواجب ہے اور گو کہ کسی تفسیر اور سیر کی کتاب میں لکھا ہو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ اور یہ روایت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم زینبؓ کو ننگا دیکھ کر فریفتہ ہو گئے تھے محض جھوٹی اور غلط ہے اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں نہیں ہے ۔

ان تمام واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زینب کے طلاق دینے کا ذکر کیا اور باوصف سمجھانے کے زید نے نہ مانا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ضرور اس بات کی فکر ہوئی کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ کا کیا حال ہوگا۔ اور اس وجہ سے ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ خیال ہوا۔ کہ اگر زید طلاق دیدے تو بجز اس کے اور کچھ علاج نہیں کہ آپ خود اس سے نکاح کر لیں۔ کیونکہ اول تو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم زینب کا زید سے جو غلام تھا نکاح کرنے کا باعث ہوئے تھے۔ اور زید کے طلاق دینے کے بعد کوئی شخص زینب کو اس وجہ سے کہ وہ ایک غلام کی جورو تھیں اُس عزت اور وقار سے نہیں رکھ سکتا تھا جس عزت اور وقار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اُن کا رہنا چاہتے تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لوگوں کا ڈر تھا کہ عرب میں متبنّےٰ کی جورو سے نکاح کرنا معیوب تھا۔ پس اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے۔ تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ یعنی جس بات کو تو دل میں چھپاتا تھا۔ خدا اُس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ اور پھر فرمایا تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ یعنی تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہئے تھا ۔

بعد اس کے زید نے زینب کو طلاق دی اور عدت کے دن گذر گئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زینب سے نکاح کیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔
فلما قضی زید منہا وطراً زوجنا کہا لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن وطراً وکان امر اللہ مفعولا۔
یعنی جب زید نے اُس سے اپنی حاجت پوری کر لی یعنی اُس کو طلاق دیدی اور عدت بھی پوری ہو گئی تو ہم نے اُس کو تیری زوجیت میں دیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک

بیٹوں کی جورُوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کچھ تردد نہ ہو۔ جب کہ وہ بی بیاں عدت کے دن پورے کرلیں۔ اور خدا کا حکم تو شدنی ہے۔ عدت کے دن گذرنے کے بعد نکاح کرنا آیت مذکورہ کے الفاظ "قضی زید منہا وطرًا" سے ثابت ہوتا ہے۔ اس آیت میں جو لفظ زوجنا کہا ہے۔ اُس پر لوگوں نے قیاس دوڑایا کہ نکاح کی نسبت جو خدا نے اپنے ساتھ کی ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ خود خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زینب کے ساتھ نکاح کردیا۔ اور جب کہ خدا آسمانوں پر رہتا ہے تو وہ نکاح آسمانوں پر خدا نے کیا ہوگا۔ اور خدا اور جبرائیل اُس کے گواہ ہوئے ہونگے۔ اس قیاس پر اور بہت سی غلط اور جھوٹی باتیں زیادہ ہوتی گئیں اور اُن کو ایک نے دوسرے سے روایت کیا اور بطور ایک روایت کی کتب تفاسیر و سیر میں مندرج ہوئیں اور مخالفین مذہب اسلام نے اُن کو بنیاد نکتہ چینی قرار دیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نکتہ چینی شروع کی۔ مگر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ایسی مہمل روائتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نکتہ چینی کی بنیاد نہیں ہوسکتیں +

تمام روایتوں میں مندرج ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اِس نکاح کا ولیمہ نہایت عمدہ طور سے دیا تھا اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حسب دستور بعد طلاق زید کے زینبؓ سے نکاح کیا تھا۔ پس جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بغیر نکاح کے زینب سے مقاربت کی تھی وہ سراسر غلط فہمی پر ہیں اور غالباً یہ خیال اُن کے دل میں لفظ زوجنا کہا سے پیدا ہوا ہے جس سے آسمانوں پر نکاح ہوجانیکا خیال سمجھا گیا تھا۔ مگر یہ دونو خیال محض غلط ہیں اسی لئے کہ خدا تعالےٰ نے ہزاروں جگہ قرآن مجید میں بندوں کے افعال کو بسبب علۃ العلل ہونے کے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اُس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ فعل بندوں نے نہیں کئے +

کسی کو متبنےٰ کرلینے یعنی منہ بولا بیٹا بنا لینے سے درحقیقت وہ صلبی بیٹا نہیں ہوجاتا اور نہ متبنےٰ کرلینے والا حقیقی باپ ہوجاتا ہے پس جو حکم کہ صلبی بیٹے کی زوجہ سے متعلق ہے وہ اُس کی زوجہ سے متعلق نہیں ہوسکتا۔ یہ رسم جو خلاف واقعی حالت کے عرب جاہلیت میں جاری تھی اُس کا معدوم کرنا نہایت مناسب اور ضرور تھا جیسا کہ خدا نے

فرمایا ہے "لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرًا" اور اس امر کے صاف طور پر ظاہر ہو جانے کے لئے خدا نے فرمایا۔ ما کان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ یعنی محمد تم سے کسی شخص کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ خدا کے رسول اور انبیا کے خاتم ہیں یعنی اُن کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہونے کا +

عرب جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ متبنیٰ کو اُس کا بیٹا کہکر پکارتے تھے جس نے اُس کو متبنیٰ کیا ہو اور اس سے شبہ پڑتا تھا کہ وہ اس کا صلبی بیٹا ہے اس بات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع کر دیا کہ جو درحقیقت کسی کا صلبی بیٹا نہیں ہے اُس کو اُس کا بیٹا کہکر مت پکارو۔ بلکہ اُس کا بیٹا کہکر پکارو جس کا وہ درحقیقت صلبی بیٹا ہے اور جس آیت میں حکم ہے وہ یہ ہے۔ وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم یعنی خدا نے تمہارے مُنہ بولے بیٹوں کو تمہارا صلبی بیٹا نہیں بنایا یہ تمہارا کہنا ہی کہنا ہے اور خدا سچی بات کہتا ہے اور وہ سیدھا راستہ بتاتا ہے۔ اُن کو اُن کے باپوں کے نام سے پکارو۔ خدا کے نزدیک یہی بہت ٹھیک ہے پھر اگر تم اُن کے باپوں کو نہیں جانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے موالی ہیں +

اگر یہ کہا جاوے کہ مُنہ بولا بیٹا کہنے سے وہ بمنزلہ صلبی بیٹے کے نہیں ہو جاتا اور اسی لئے اس کی زوجہ سے جب وہ اُس کو طلاق دیدے نکاح جائز ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج سے جو وہ بھی بمنزلہ مُنہ بولی ماں کے ہیں کیوں نکاح حرام ہوا۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بسبب اس کے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج کو ماں کہا گیا ہے اُن سے نکاح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ازواج کو محرمات میں داخل کر دیا ہے۔ اور جس کی وجہ اصلی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور بسبب اُن کے محرمات میں داخل ہونے کے اُن پر اُمہات کا لفظ بولا گیا ہے نہ یہ کہ اُمہات کہنے سے وہ حرام ہو گئیں ہیں۔ پس اُمہات کہنے سے اور اُن سے نکاح

حرام ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ محرمات میں تھیں اس
لئے امہات کا لفظ بولا گیا ہے ٭

نامتمام

قوم کی زندگی اور موت

یہ مضمون سرسید مرحوم نے وفات سے ایک مہینہ پہلے لکھنا شروع کیا تھا مگر ہجوم اشغال کے سبب اُسکو پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی یعلوم نہیں کہ تاریخی حصۂ مضمون کے بعد کیا خیالات لکھے جاتے اور کیا عنوان اس مضمون کا قائم ہوتا۔ سرسید مرحوم اکثر مضامین کے عنوان ان کے ختم ہونے پر لکھا کرتے تھے۔ اس مضمون کا عنوان میں نے قائم کیا ہے اور اسکو بجنسہ اسی ناتمام حالت میں چھپواتا ہوں جس میں کہ وہ میرے پاس سرسید مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہُوا موجود ہے۔ امید ہے کہ ناظرین غور سے پڑھینگے ٭

وحید الدین سلیم۔ سابق لٹریری اسسٹنٹ سرسید مرحوم

ہر ایک قوم کی ترقی، عروج اور نام آوری کی ایک عمر ہوتی ہے جس طرح کہ ایک انسان کی۔ انسان پیدا ہوتا ہے بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے، بڈھا ہوتا ہے اور اخیر کو مرجاتا ہے۔ اُس کے بڑھنے جوان ہونے بڈھا ہونے مرنے کے طبعی اسباب ہوتے ہیں جو کسی کے روکے سے رُک نہیں سکتے اسی طرح ایک وحشی قوم ترقی کرتی ہے نام آور ہوتی ہے، عروج پر پُہنچ جاتی ہے، پھر تنزل شروع کرتی ہے، بڑھاپا اُس پر آجاتا ہے اور پھر ایسی گم نام ہو جاتی ہے کہ اُس پر موت کا اطلاق ہوتا ہے ٭

قوم کا تنزل ایک طبیعی امر ہے جس طرح انسان کا بڈھا ہونا طبیعی امر ہے۔ بڑھاپے کے امراض کو لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مرض ہے مگر نہ اُس کی دوا ہو سکتی ہے اور نہ وہ جا سکتے ہیں کیونکہ وہ طبیعی ہوتے ہیں اور طبیعت بدلتی نہیں۔ جو لوگ قوم کے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ اُن مرضوں کی تشخیص کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کا علاج ممکن ہے اور نہایت کوشش سے اُس کے علاج پر متوجہ ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہمارے ہی قصور اور غفلت سے یہ مرض لگ گئے ہیں مگر درحقیقت یہ بات یوں نہیں ہوتی۔ بلکہ قوم کی طبیعت ہی ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ امراض جو باعث تنزل ہیں خود قوم کی طبیعت

پہنچاتے ہیں اور اس لئے علاج پذیر نہیں ہوتے ❖

عرب کی وحشیانہ حالت سے ترقی کی پہلی سیڑھی تمدنی حالت کی طرف مائل ہونا تھی۔ اُن لوگوں نے جو خانہ بدوش پھرتے تھے مختلف مقامات پر سکونت اختیار کی اور توالد و تناسل سے آبادی کی کثرت ہوتی گئی۔ اُن کے تمدنی تعلقات صرف اسی گروہ میں محدود تھے جو ایک جگہ آباد تھی ہر ایک گروہ دوسرے گروہ سے اس طرح علیحدہ رہتے تھے جیسے مختلف قسم کے جانور کہ باوجود ایک میدان میں رہنے کے ایک دوسرے سے علیحدہ رہتے ہیں اس تفرق کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک گروہ کے لئے جدا جدا نام اور لقب قائم ہوں تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے ملنے نہ پاوے۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کے معبود کو پسند نہ کرے بلکہ اپنے اپنے لئے جدا جدا معبود قرار دے۔ ایک دوسرے پر غلبہ اور تفوق کی کوشش کرے اور گروہوں میں ہمیشہ جنگ و جدل و بغض و عداوت قائم رہے۔ عرب کی یہی حالت تھی جب کہ اُس نے ترقی شروع کی تھی اور گو یہ سب باتیں ترقی کے موانع میں سے تھیں لیکن زوال پذیر تھیں کیونکہ قوت نمو موجود تھی اور وہ ان سب موانع کو دور کر سکتی تھی جیسے کہ ایک بچے کی قوت نمو اُس کے ضعف کو اور اُن امراض کو جو طبیعی طور پر بچپن میں لاحق ہوتے ہیں دور کرتی ہے مگر جب یہی امراض کسی قوم میں ترقی کے بعد لاحق ہوتے ہیں تو وہ زوال پذیر نہیں ہوتے جیسے کہ بچپن کے زمانہ کے امراض بڑھاپے میں لاحق ہونے سے جا نہیں سکتے ❖

اُن کی قوت نمو کچھ نہ کچھ ان امراض کو دور کرتی جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کے حلیف ہونے لگے تھے مگر اُن میں ایک ایسی قوی قوتِ نمو کی ضرورت تھی جو ان سب مرضوں کو دفعۃً دور کر دے۔ وہ زمانہ آیا اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَاتَّبِعُوْنِیْ کل قومیں اُس کلمہ کی مخالفت میں متحد ہو گئیں اور یہی اتحاد گو کہ مخالفت میں تھا اُس قوی قوتِ نمو کے پیدا ہونے یا موجود ہونے کی بشارت دیتا تھا۔ تمام مختلف امراض جو قوموں میں تھے اُس کے مقابل مضمحل ہو گئے یا معدوم یا قریب معدوم ہونے کے پہنچ گئے صرف ایک مرض شدید کہ "نسلم انت رسول اللہ" کل قوموں میں پھیلا ہوا رہ گیا۔ تائید الٰہی اور نصرت سماوی نے یا یوں کہو کہ سچ کے طبیعی نشہ نسیا نمو کی طبیعی قوت نے اُس امراض کو دور کیا اور سب نے کہا "نشهد انت رسول اللہ

تنبعث" دفعتاً تمام موانع ترقی دور ہو گئے قوتِ نمو اپنی پوری قوت سے اپنا کام کرنے لگی۔ سب کا معبود ایک ہو گیا۔ تمام اختلافات دور ہو گئے عداوتیں مٹ گئیں آپس کی لڑائیاں موقوف ہو گئیں دینی اور دنیاوی سرداری نے ایک مرکز پر قرار پایا اور تفوق کی مخالفانہ خواہشیں جو ایک کو دوسرے کے نقصان جاتی رہیں۔ اور برخلاف اُس کے اطاعت اور محبت اور اتفاق اور ہمدردی میں تفوق حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ تمام مختلف گروہیں ایک قوم ہو گئیں۔ قومیت کا اصول جو نسل پر محدود تھا وسیع ہو گیا اور جس نے کہا۔ "اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله" کسی نسل کا تھا اُسی ایک قوم کا ہو گیا"۔ کما قال الله تعالیٰ انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون قوم قوم ہو گئی جوانی میں بھرپور ہو گئی ترقی اور عروج کے اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئی۔ خدا نے بھی اس پر اپنا بڑا احسان جتایا اور فرمایا" هو الذی ايدك بنصره وبالمؤمنين الف بين قلوبهم لو انفقت ما في الارض جميعا ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم انه عزيز حكيم"۔ افسوس کہ یہ جوانی کی عمر صرف دس برس رہی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہی وہ امراض شروع ہوئے جو جوانی کی حالت میں شروع ہوتے ہیں اور جوانی کی قوت اُن کو دفع کرتی ہے اور اپنی قوت کو قائم رکھتی ہے ❊

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات میں کسی کو کسی قسم تفوق کا خیال نہ تھا مگر انتقال ہوتے ہی یہ خیال پیدا ہوا۔ ہم دل سے قبول کرلینگے کہ وہ خالصاً للہ تھا اور دنیاوی کچھ لگاؤ اس میں نہ تھا۔ مگر وہ وجود میں آیا۔ اُس کا وجود میں آنا ایک طبیعی امر تھا۔ مگر قوم کی جوانی بھرپور تھی۔ اُس نے کچھ زیادہ اثر نہیں کیا۔ تھوڑی سی حرارت ہو کر جاتی رہی مگر بیماری نے گھر دیکھ لیا ❊

گو اس بیماری نے اُس وقت کچھ اثر نہیں کیا۔ مگر اُس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ رفتہ رفتہ اپنا کام کرتی رہی چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت۔ جنگ جمل اور جنگ صفین۔ شہادت حضرت علی مرتضےٰ ؓ۔ ترک خلافت حضرت امام حسن۔ شہادت حضرت امام حسین حرمین کو واقعات دردآلود سب اُسی بیماری کے نتائج میں سے تھے ❊

سب سے بڑا نشان قومی تنزل کا حکومت یا سلطنت کا تقسیم ہو جانا ہے حضرت علی مرتضےٰ

اور معاویہ بن ابی سفیان۔ امام حسن علیہ السلام نے کمال دانائی و بردباری اور عالی ہمتی اور قومی ہمدردی سے اسکو مٹایا اور ترک خلافت کیا۔ مگر حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے حجاز میں مستقل حکومت قائم کرنے سے پھر اُس علامت کو تازہ کیا۔ مگر تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ عبد الملک ابن مروان نے اس حکومت کو برباد کردیا۔ عبد اللہ ابن زبیر بھی شہید ہوئے اور پھر کل سلطنت اسلامیہ کا مدار ایک مرکز پر جمع ہوگیا اور عروج جیسا کہ تھا پھر قائم ہوا۔ گو بنی امیہ کی سلطنت بھی بنی فاطمہ علیہا السلام اور علویوں اور عباسیوں کے اندیشہ سے خالی نہ تھی مگر وہ ایسی مستحکم تھی کہ ایک زمانہ تک کوئی شخص اُس کو ہلا نہ سکا +

مگر عباسی اپنی دھیمی اور دوراندیش اور خاموش تدبیروں میں کامیاب ہوئے بنی امیہ کو اُنہوں نے نکالا اور خود سلطنت حاصل کی مگر پوری قوت ایک مرکز پر قائم نہ رہی بنی امیہ کے خاندان کا ایک شخص عبد الرحمن اندلس میں جا پہنچا اور وہاں ایک مستقل جداگانہ سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور سلطنت اسلامیہ دو ٹکڑے ہوگئی۔ با ایں ہمہ عباسیوں کے وقت میں مسلمانی سلطنت غایت درجۂ کمال پر ترقی کرگئی تھی مگر عیش و عشرت اور مظالم بھی خصوصاً سادات پر اپنے درجۂ کمال پر پہنچ گئے تھے عہد جوانی ختم ہوگیا تھا اور مطابق قانون طبعی کے بڑھاپے کا زمانہ شروع ہونیوالا تھا وہ آموجود ہوا اور کسی تدبیر سے نہیں رکا سلطنت کے ٹکڑے ہونے شروع ہوئے۔ پھر ادریس نے ایک مغربی سلطنت قائم کی اور برابرہ اور مغیلہ اور زناتہ اُس سے شریک ہوگئے پھر شیعوں نے خروج کیا اور کتامہ اور صنہاجہ کی مدد سے مغرب اور افریقہ میں ایک اور سلطنت قائم کی اور مصر اور شام اور حجاز پر بھی قبضہ کرلیا اور ادریسیوں کو برباد کردیا۔ اب تین مسلمانی سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ ایک عباسیوں کی دوسری بنی امیہ مجددین کی اندلس میں اور عبیدیین کی افریقہ اور مصر اور شام اور حجاز میں +

بعد اسکے عباسیوں کی سلطنت کے اور بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ سامانیوں نے خراسان اور ماوراء النہر میں سلطنت قائم کی علویین نے دیلم و طبرستان میں۔ یہانتک کہ انھوں نے عراقین اور بغداد پر بھی قبضہ کرلیا۔ پھر سلجوقی اُٹھے اور اُنہوں نے ان سب کو مار ہٹایا مگر پھر اُن کی سلطنت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اسی طرح سلطنت مغاربہ پر جو صنہاجہ اور افریقہ میں تھی بادیس کے عہد میں اُسکے چچا حماد نے خروج کیا اور سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ موحدین کی سلطنت کا بھی جو افریقہ تھی یہی حال ہوا۔ بنو ابی حفص نے خروج کیا اُنہوں نے تلکتہ بالیا اور ایک سلطنت قائم کردی اسی طرح تمام افریقہ کے ٹکڑے ٹکڑے پر جُدا جُدا سلطنتیں قائم ہوگئیں اور مجموعی طاقت جو مسلمانی سلطنت کی تھی ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہوگئی +

ازالۃ الغین عن ذکر ذوالقرنین

سکندر ذوالقرنین کے حالات کے متعلق اور یاجوج ماجوج اور سد یاجوج ماجوج اور سد گریٹ وال
اور حالات جے وانگ ٹی۔ ذکر تاریخ چین جیمس کارکرن اور بنائے دیوار وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہے۔ سرسیّد
احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور نے قرآن شریف سے یہ مضمون لیکر نہایت ہی اصلی حالات لکھے ہیں۔ اس کتاب کے
متن میں آیات قرآنی اور ترجمہ مع ازدیاد مصنف کے ہے اور حاشیہ پر تفسیر کبیر عربی ہے ۵ر

الجن و الجان علیٰ ما فی القرآن

اس کتاب میں لفظ جن اور انس سے بحث کی گئی ہے کہ آیا قرآن شریف میں جو یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں
اس کے کیا معنی لئے جانے چاہئیں اس مضمون کے متعلق قرآن شریف کی تمام آیات جمع کر کے اور ماہیت
اور لفظوں کے موقع بے موقع اور جائے استعمال اور صرف اور نحو کے لحاظ سے نہایت مدلّل بحث کے
بعد اصل حالات لکھے ہیں ۵

تحریر فی اصول التفسیر

اس کتاب میں نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب اور سرسید احمد خاں صاحب بہادر کی خط و کتابت
ہے بابت تفسیر قرآن سرسیّد احمد خان مرحوم۔ نواب صاحب کو جس جگہ شبہ ہوا ہے یا انہوں نے جائز نہیں سمجھا
اعتراض کئے ہیں۔ سرسیّد نے بھی تسلی کے لئے جواب لکھے ہیں۔ انہوں نے پھر جواب در جواب لکھا ہے۔
غرضیکہ عجیب دلچسپ سلسلہ بحث ہے اس کے ساتھ سرسید احمد خاں نے مقاصد تفسیر لکھ دیئے ہیں جس شخص نے
سرسیّد کی تفسیر پڑھی ہے اُس کا فرض ہے کہ اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرے۔ تاکہ تفسیر جن اصولوں پر ہے معلوم
ہوجائے ۵ر

لکچر اسلام

سرسید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم کا لکچر عقاید اسلام کی نسبت ۱۰ر

ڈیوٹی

ڈاکٹر سموئیل سمائلز کی مشہور اخلاقی کتاب ڈیوٹی کا اردو ترجمہ۔ کتاب بحیثیت اپنے اعلےٰ مضامین کے اس
قابل ہے کہ کوئی فرد بشر اس کے مطالعہ سے خالی نہ رہے۔ یہ کتابیں انگریزی زبان میں لکھو کہا چھپیں اور فروخت
ہوئیں ہیں۔ اس میں مندرجۂ ذیل مضامین ہیں۔ فرض ضمیر تمیزہ۔ فرض علمی۔ دیانتداری۔ صداقت۔ راستی۔ دلیری
تحمل۔ انجام تک بردباری۔ سپونار ولا۔ جہازران۔ سپاہی۔ نیک عملی میں بہادری۔ ہمدردی۔ خیرخواہی عام وغیرہ
اخلاقی سبق لینے والے طالب علموں کے لئے نہایت عمدہ اتالیق۔ اردو زبان سلیس با محاورہ ہے۔ اہل زبان
نے اس کا ترجمہ کیا ہے .. .. عہ ہر

اسلام کی دنیوی برکتیں

اس کتاب کا مضمون تو اسکے نام سے ظاہر ہے زیادہ تشریح کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اسلام پر جو اعتراضات غیر مذہب والوں نے
(عیسائیوں) کئے ہیں ہر ایک کا جواب نہایت معقولیت سے دیا ہے اور اسلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں ۴ر

تہذیب الاخلاق جلد اول

یعنی عالیجناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب منیر نواز جنگ مصنف کتاب آیات بینات وغیرہ کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری بنھایت ۱۲۹۳ھ ہجری یہ وہی مضامین ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اپنی صداقت سے ایک غیر معمولی ترقی کا جوش پھیلایا اور یہ وہی مضامین ہیں جن کی تلاش ایک مدت سے خیر خواہان قوم و ملک کو تھی مگر افسوس کہ ان کو میسر نہ آئے۔ اب ہم نے نہایت کوشش سے بہم پہنچا کر شائع کر دیئے ہیں۔ بہت عمدہ ڈمی کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب [illegible] نہایت دلچسپ مضامین ہیں۔ اگر کوئی شخص اسلام سے واقفیت حاصل کرنی چاہے یا اردو انشا پردازی اور معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا چاہے تو اس سے بہتر اور کوئی کتاب اس کو نہ ملیگی۔ ضخامت ۵۰۰ صفحے ... ... عہ

تہذیب الاخلاق جلد دوم

مصنفہ سید احمد خانصاحب۔ دیکھو مفصل اشتہار صفحہ اول سے ...

تہذیب الاخلاق جلد سوم

یعنی عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب بہادر کے جملہ مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری بنھایت ۱۲۹۳ھ ہجری مضامین کیا ہیں ایک گوہر بے بہا ہیں۔ نواب صاحب مرحوم کی لیاقت اور تحریر کو کون نہیں جانتا۔ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے [illegible] قدردان تو مان گئے [illegible] آپ نہ صرف [illegible] انگریزی کے فاضل تھے بلکہ عربی لیٹن عبرانی اور سنسکرت سے کماحقہ واقف تھے آپ نے اپنے مضامین میں بیسیوں جگہ ظاہر کیا [illegible] ہیں ایسے شخص موجود ہیں جو ہزار یا [illegible] واقف کر سکتے ہیں اور نہ واقف [illegible] سے پیدا کر سکتے ہیں ان مضامین [illegible] عبرانی اور انگریزی حرف میں [illegible] چھاپ دیئے ہیں نہایت عمدہ کتاب چھپ گئی ہے اور مقبول عام ہوئی ہے ... ... عہ

اطلاع

تمام حق حقوق تالیف و تصنیف بنام منشی فضل الدین محفوظ ہیں اور حسب ضابطہ رجسٹری ہو گئے ہیں لہذا کوئی صاحب قصد طبع کریں بلا ایما مہتمم مسروقہ

تہذیب الاخلاق جلد چہارم

اس مجموعہ میں جناب مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ۔ جناب مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جناب سید محمود صاحب۔ جناب شمس العلما مولنا مولوی ذکاء اللہ صاحب۔ جناب فارقلیط اللہ صاحب کے تمام مضامین کی تعریف صرف اسی قدر [illegible] کافی ہے کہ تمام [illegible] مرحوم [illegible] صاحب [illegible] ہیں [illegible] واقعہ [illegible] اور وجاہت فضیلت [illegible] مضامین کیا ہیں ایک چلتا جادو [illegible] دستخیر کئے لیتا ہے۔ اس مجموعہ کے چھپ جانے سے تہذیب الاخلاق کی چاروں جلدیں ہفت سالہ مکمل ہو گئیں۔ نہایت عمدہ کاغذ اور خوشخط۔ قابل دید۔ قیمت صرف ۱۲ر

المشتہر

خاکسار فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت بازار کشمیری